ہندوستان

کی

صنعت اور تجارت

از

منت اللہ رحمانی

ایم - ایل - اے

فہرست مضامین

نمبر	مضمون	از صفحہ تا

اِنتساب

میں

اپنی اِس ناچیز خدمت کو امیر الہند حضرت مولانا حسین احمد مدنی

اور

حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجّاد کے نام سے منسوب کرنے کا فخر حاصل کرتا ہوں، کہ انہی حضرات کی بافیض صحبتوں نے اِس قسم کی تصنیف کا ذوق مجھ میں پیدا کیا۔

گر قبول اُفتد زہے عز و شرف

منت اللہ رحمانی
خانقاہ رحمانی مونگیر

مؤرخہ
۲۰ر مئی ۳۹ئہ

۱۷۶–۱۷
۱۸۲–۱
۲۰۶–
۲۱۳–

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حامداً و مصلیاً و مسلماً

خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ اچھی یا بُری، یہ کتاب طبع ہو ہی گئی، اب صرف یہ آرزو ہے کہ خدا میری اس خدمت کو شرف قبول بخشے، اور اس کتاب کی تالیف سے میرا جو مقصد ہے اُسے پورا کرے، آمین۔

جب سے مجھے سیاسی شعور ہوا، اور میں نے مسلمانوں کے حالات پر نگاہ ڈالی، تو محسوس ہوا کہ مسلمانوں میں کوئی رائے عامہ نہیں، جو سیاست کے تمام شعبوں اور تحریکات میں ان کی راہ نمائی کر سکے۔ اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ مسلمانوں کی سیاسی تربیت کی طرف توجہ بہت کم کی گئی۔ ہندوستان کے صحیح سیاسی اور اقتصادی حالات سے وہ بالکل بے خبر ہیں، اور اُنھیں ایسی چیزوں کے مطالعہ کا موقع نہیں ملتا جس سے اُن کے دماغ کی صحیح تربیت ہو سکے۔

دوسری بات یہ ہے کہ اردو میں (جو ہندوستان کی مشترک اور کامیاب زبان ہے،) ایسی کتابوں کی بہت کمی ہے۔ جو اس نقطۂ نگاہ سے لکھی گئی ہو کہ ہندوستانیوں میں سیاسی شعور اور بیداری

پیدا کی جائے، اور جہاں تک میری نگاہ ہے، غالباً ہندوستان کے
تجارتی اور صنعتی حالات، ابتک اُردو زبان میں اِس طرح یکجا نہیں
کیے گئے۔ جن کا علم ہر ایک ہندوستانی کے لیے میرے خیال میں بہت
ہی ضروری ہے۔

انہی حالات نے اِس کتاب کی تالیف کا خیال پیدا کیا۔ اور جس جس
طرح حالات زیادہ روشن ہو کر سامنے آتے گئے۔ خیال قوی ہوتا گیا۔
اور آج اُس تخیل نے کتاب کی شکل اختیار کر لی۔

اِس کتاب کا مواد تو میں نے اُسی وقت سے جمع کرنا شروع کر دیا تھا
جب میں ۱۹۳۳ء میں دار العلوم دیوبند کا ایک ادنیٰ متعلم تھا اور
حدیث کی آخری کتابیں میرے زیرِ درس تھیں اور اُسی وقت وہ تمام
معلومات حاصل کر لئے تھے، جو اس موضوع کے متعلق امیر الہند حضرت
مولانا حسین احمد صاحب مدنی کی بیش بہا سیاسی یادداشتوں میں
موجود تھے، دار العلوم سے واپس آنیکے بعد زمانہ نے زندگی میں اتنا
الجھاؤ پیدا کیا کہ مواد جمع کرنے کا کام رُک گیا۔ پھر ۱۹۳۵ء کی
ابتدا میں وہ مبارک ساعتیں آئیں کہ مجھے اطمینان کا سانس لینا

نصیب ہوا، اور اس کتاب کا مواد مکمل ہو گیا۔
۱۹۳۶ء کی ابتدا میں کتاب کی ترتیب میں ہاتھ لگایا ہی تھا کہ مجھے مجبوراً صوبۂ بہار کی سیاست میں حصہ لینا پڑا۔ اور پھر مشغولیتیں اس قدر بڑھیں کہ کتاب کی تکمیل ناممکن سی ہو گئی۔ انہی حالات میں دن گذرتے رہے اور تصنیف کا کام جہاں تک پہنچ چکا تھا اُس سے آگے نہ بڑھ سکا۔

چند مہینے گذرے کہ حضرت مولانا ابو المحاسن محمد سجاد صاحب مدظلہ کے حکم اور رفیق محترم مولانا صغیر احمد صاحب دربھنگہ کے اصرار سے کتاب کا کام پھر شروع کیا، اور ساری مشغولیتوں کے ساتھ ساتھ تھوڑا سا وقت اس کے لئے بھی نکالا۔

جنہیں تصنیف کا موقع ملا ہے اُنہیں اچھی طرح معلوم ہے کہ تصنیف کی پہلی شرط اطمینان اور سکون کی زندگی ہے، جو بدقسمتی سے مجھے حاصل نہیں۔ سیاسی اور ہنگامی کاموں کے ساتھ ساتھ کتاب کی تصنیف کا کام بہت ہی مشکل ہے۔ لیکن ایک بزرگ کے حکم اور ایک رفیق کے اصرار نے مجبور بھی کیا اور ہمت بھی بڑھائی، اور خدا کا نام

بیکر کام شروع کردیا گیا، جس کا نتیجہ پڑھنے والوں کے سامنے ہے۔

ایک طرف یہ خیال کہ کتاب جلد از جلد طبع ہو جائے، دوسری طرف یہ تخیل کہ وقت کم سے کم صرف کیا جائے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ کتاب مکمل ہو کر طبع نہ ہو سکی۔ اور مواد کا ایک حصہ جو مفید اور ضروری تھا ترتیب نہ دیا جا سکا، لیکن اگر اس کتاب کو مفید سمجھا گیا اور طبع ثانی کی نوبت آئی تو انشاء اللہ مکمل ہو جائیگی اور بہت سی مفید معلومات اور ضروری بحثوں کا اضافہ کر دیا جائیگا۔

نامناسب ہوگا اگر میں اپنے دوست جناب عبدالرحمٰن عثمانی کا شکریہ نہ ادا کروں جن سے مجھے اس کتاب کی طباعت میں کافی مدد ملی — آخر میں ان تمام حضرات کی خدمت میں عرض کروں گا جنکی اس فن پر نگاہ ہے کہ وہ اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں اور اس میں جو غلطیاں ہوں یا جن چیزوں کے اضافہ کی ضرورت ہو، اس سے مطلع فرمائیں، میں بطیب خاطر اگلی اشاعت میں اسکا پورا لحاظ رکھوں گا۔

منت اللہ رحمانی

خانقاہ رحمانی مونگیر

مورخہ ۲۰ مئی ۱۹۳۹ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

ہندوستان کی صنعت وتجارت زمانۂ قدیم میں

قرون وسطیٰ میں ہندوستان دُنیا کا اقتصادی مرکز تھا۔ موجودہ زمانہ کے خیال اور نظریہ کے مطابق اگر پُرانے ہندوستان کو دیکھا جائے تو ہندوستان صنعتی اور تجارتی ملک تھا۔ ہر قسم کی مصنوعات ہندوستان میں تیار ہوا کرتی تھیں، چھوٹی چھوٹی قیمتی چیزیں جو ہنر اور دستکاری کا اعلیٰ اور انمول نمونہ ہوتی تھیں، ان کا تبادلہ دوسرے ملکوں سے سونے کے عوض میں ہوا کرتا تھا۔ ہندوستان سے نفیس اور قیمتی چیزوں کی نکاسی اس قدر تھی کہ گویا ساری دُنیا کا سونا سمٹ کر ہندوستان چلا آیا کرتا تھا، یہاں تک کہ روم بھی اپنے ملک سے سونے کے نکل جانے پر شکوہ کناں تھا۔ پلینی (Plini) نامی رومن مؤرخ نے لکھا تھا کہ :-

"ہمارے ملک کا بہت سارا روپیہ ہندوستان کی طرف بہا چلا جارہا ہے۔"

پہلے زمانہ میں ہندوستانی تجارت کی سربلندی اور ہندوستانی مصنوعات کی قابلِ رشک برآمد اور نکاسی کا کھلا ثبوت، دوسرے ملک والوں کا یہ تخیل ہے کہ ہندوستان میں سونے کی بہت زیادہ کھپت ہے، جو خیال اس وقت تک دماغوں میں موجود ہے۔

ہندوستان اپنی کچی پیداوار سے مصنوعات تیار کیا کرتا تھا۔ اور انہیں یہاں کے باشندے اپنے ہی بنائے ہوئے جہازوں پر ایک طرف تو براہ خلیج ایران و عرب، یورپ اور دوسری طرف چین و جاپان لیجایا کرتے تھے۔

ہندوستان کی تجارت اور صنعت تو اتنی قدیمی چیز ہے کہ پروفیسر ویبر (weber) کے قول کے مطابق:۔

"تین ہزار سال قبل مسیح بابل اور ہندوستان کے درمیان تجارت ہوتی تھی، اور مصر کے مقبروں میں دو ہزار سال قبل مسیح مردوں کی لاشیں ہندوستان کی عمدہ، نفیس اور باریک ململ میں لپٹی ہوئی پائی گئی ہے۔"

کونسا ہنر تھا، جو ہندوستانیوں کو نہ آتا ہو، اور کونسی صنعت تھی جسے ہندوستانی ہاتھوں نے ترقی نہ دی ہو۔ انسانی ضروریات کی اکثر و بیشتر چیزیں ہندوستان میں تیار ہوا کرتی تھیں، کپڑا بُننے کا کام، لوہا گلانے اور

اُس سے مختلف چیزیں بنانے کا کام، لکڑی سے مصنوعات تیار کرنے کا کام، دھاتوں اور قیمتی پتھروں کا کام، اور مختلف قسم کے بہترین رنگ، تیل اور عطر وغیرہ، یہ ساری چیزیں اسی ملک میں تیار ہوا کرتی تھیں، نتیجہ یہ تھا کہ ہندوستان اپنی ضروریات میں کسی دوسرے ملک کا محتاج نہ تھا، بلکہ ہندوستان اپنی ضروریات سے کہیں زیادہ چیزیں تیار کیا کرتا تھا۔ اور وہ صنعت کا اِس قدر اعلیٰ نمونہ، اور لوگوں کے ذوق اور رجحان کے اِس قدر مطابق ہوا کرتی تھیں کہ دوسرے ملک میں ان کی بڑی مانگ تھی، اور ہندوستان کا بنا ہوا مال دوسری جگہوں میں بڑی قدر اور عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا، اور دوسرے ملکوں میں جاکر وہاں کے مال سے زیادہ بکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ ہندوستان سے مال کی نکاسی اور برآمد بہت بڑے پیمانہ پر تھی۔

وہ ممالک جو آج صنعت اور تجارت کے استاد مانے جاتے ہیں، جو دُنیا کی منڈیوں پر چھائے ہوئے ہیں، اور جنہوں نے ہندوستان جیسے ملکوں کا خون چوس چوس کر دولت کی بڑی سے بڑی مقدار جمع کر رکھی ہے، پہلے زمانہ میں ہندوستان کے مقابلہ میں ان کی کوئی

حیثیت نہ تھی۔ اُس وقت اُن ملکوں میں نہ صنعت و حرفت تھی، اور نہ وہاں کے لوگ تجارتی کاروبار سے واقف تھے۔ بقول مسٹر تھارنٹین:-

"یورپ کو تہذیب سکھلانے والے یونان اور اٹلی جب بالکل جنگلی حالت میں تھے، ہندوستان اُس زمانہ میں درجہ کمال کو پہنچا ہوا تھا اور مال و دولت کا مرکز تھا۔ یہاں ہر طرف صنعت و حرفت کے بڑے بڑے کاروبار جاری تھے۔ یہاں کے کاروباری، رات دن اپنے کاموں میں مشغول رہتے تھے۔ یہاں کی زمین بہت زرخیز تھی۔ جس سے فصل خوب پیدا ہوتی تھی، یہاں اچھے سے اچھے، لائق کاریگر اور صناع موجود تھے۔ جو یہاں کی کچی پیداوار سے اتنا نفیس اور عمدہ مال تیار کرتے تھے جس کی دُنیا بھر میں مانگ ہوتی تھی۔ مغرب اور مشرق کے تمام ملک یہاں کی بنی ہوئی چیزوں کو بڑے شوق سے خریدتے تھے، یہاں سُوت اور کپڑے اس قدر عمدہ، باریک، نفیس اور خوبصورت بُنے جاتے تھے کہ دنیا میں کوئی ملک بھی ان کی برابری نہیں کر سکتا تھا۔"

ڈاکٹر رابرٹسن (Dr Robertson) نے ہندوستان کے متعلق لکھا ہے کہ:-

"تمام زمانوں میں سونا چاندی کی برآمد ہندوستان کی بہت فائدہ مند
تجارت تھی۔ رُوئے زمین پر کوئی ملک بھی اپنی ضروریات میں دوسرے
ملکوں سے اتنا مستغنی نہ تھا جتنا کہ ہندوستان تھا۔ مناسب آب وہوا
زرخیز زمین اور خود باشندوں کی ذہانت نے وہ سب کچھ مہیا کر دیا تھا
جس کی اُنہیں ضرورت تھی۔"

ان ہی حالات کا نتیجہ تھا کہ ہندوستان اپنی دولت میں ساری دُنیا
میں مشہور تھا۔ یہاں دولت کی نہریں بہتی تھیں۔ ہر شخص فارغ البال تھا
اُس وقت ہندوستان کے باشندوں کے سامنے بے کاری و بے روزگاری
کا کوئی سوال نہ تھا۔ ہر گھر میں صنعت وحرفت کا چرچا تھا۔ کوئی اکیلا گھر
میں بیٹھا کوئی چھوٹی سی چیز بنا رہا ہے۔ اور اُس سے اپنی اور بال بچوں
کی پرورش کر رہا ہے۔ کہیں دس آدمی ملکر کسی مال کو تیار کر رہے ہیں۔
کہیں سوت کاتا جا رہا ہے، کہیں کپڑا بنا جا رہا ہے، کوئی ہاتھی کے دانت،
ہڈیوں، یا پتھروں سے خوبصورت اور کار آمد چیزیں تیار کر رہا ہے۔
کہیں لوہے کی کیلیں، میخیں اور جہاز کے لنگر تیار کئے جا رہے ہیں۔
کسی جگہ لکڑی کا کام ہو رہا ہے۔ جگہ جگہ کاریگر جہاز بنا رہے ہیں۔

کہیں تیل، عطر اور رنگ کی تیاری ہو رہی ہے، ایک جماعت کاریگروں سے مال خرید کر آڑھتوں میں بیچ رہی ہے، ایک گروہ ہندوستان کے شہروں میں اور دیہاتوں میں گھوم گھوم کر تجارت کر رہا ہے، کچھ لوگ ہندوستان کا مال جہازوں پر بار کر کے دوسرے ملکوں کو لیجا رہے ہیں۔ غرض ہر ہندوستانی اپنے اپنے کاروبار میں مشغول تھا، اور اطمینان وسکون کی زندگی گذار رہا تھا۔ مانی ہوئی بات ہے کہ جب انسان کی زندگی جائز اور فائدہ مند کاموں میں مشغول رہتی ہے، تو اس کا ایمان بھی درست رہتا ہے، اخلاق بھی بلند ہوتے ہیں، فکر وخیال کی سطح بھی اونچی رہتی ہے۔ صحت اور نسل بھی قوی ہوتی ہے۔ اور وہ اُن برائیوں سے خالی ہوتا ہے، جو بیکاری، پریشان حالی اور غربت ایک انسان میں پیدا کر دیا کرتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ یہ ساری اچھی باتیں اُس وقت کے ہندوستانیوں میں اکثر وبیشتر پائی جاتی تھیں۔
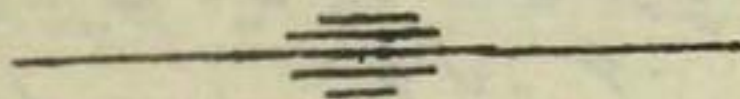
ہندوستان کی صنعت و تجارت

مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں

پہلے عنوان کے ماتحت تو ہندوستان کی صنعت و تجارت کا دھندلا سا خاکہ بیان کیا گیا اور اس دور کی ہلکی سی تصویر کھینچی گئی جس کو زمانہ تاریخ سے پہلے کا دور کہنا چاہیئے۔ جس زمانہ کے متعلق تفصیلی معلومات مہیا کرنا تقریباً ناممکن ہے۔ اس لئے کہ اُس زمانہ کی تاریخیں نہیں ہیں، اور اگر کچھ ہیں بھی تو اُن میں اس قسم کے حالات سے بہت کم بحث کی گئی ہے۔ ہاں زمانہ تاریخ کے ہندوستان کو لیا جائے تو پھر آنکھیں کھل جاتی ہیں، اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان تو صنعت و تجارت میں ساری دُنیا کا استاد تھا۔ یہ زمانہ ہندوستان میں مسلمان بادشاہوں کی آمد سے شروع ہوتا ہے، اور ہندوستان میں انگریزوں کے قبضہ و تسلط پر آکر ختم ہوجاتا ہے۔ ان صدیوں کی ہندوستانی صنعت و تجارت کی تاریخ ایسی روشن اور بلند ہے کہ ہر ہندوستانی اس پر فخر کرسکتا ہے۔ اور اس کو آجتک کی ہندوستانی تاریخ کا سب سے زیادہ

چمکتا ہوا زمانہ کہا جا سکتا ہے۔ چونکہ اسلامی تعلیمات واُصول کی بنا پر تجارت وصنعت سب سے بہتر اور افضل پیشہ ہے اس لئے جو مسلمان بادشاہ ہندوستان میں آیا وہ اسلام کی اس تعلیم اور اصول کو ساتھ لیکر آیا۔ اور اس نے ہندوستان کی تجارت وصنعت کی ترقی میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔

ابتداءً تو ہندوستان میں کچھ مسلمان بادشاہ ایسے گذرے کہ اُن کا آنا اور جانا دریا کے اُتار اور چڑھاؤ کی طرح تھا۔ لیکن جب اونھوں نے یہاں کی مستقل بُود و باش اختیار کی خصوصًا جب خاندان مغلیہ نے ہندوستان کی حکومت سنبھالی۔ اور جب روشن دماغ مغل بادشاہوں کے حصہ میں یہاں کی راجدھانی آئی، تو پھر کیا تھا۔ ہندوستان کی صنعت وتجارت کو گویا چار چاند لگ گئے۔ اور یہاں کی تجارت نے ایسی ترقی کی کہ تاریخ اس کی مثال نہیں پیش کر سکتی۔

مسٹر الفنسٹن (Elphinestone) نے اپنی تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ :-

"یونانی مورخ نے ہندوستان کی جو حالت اپنی آنکھ سے دیکھی اور لکھی ہے،

اُس سے معلوم ہوتا ہے کہ آبادی بہت گنجان تھی، اور رعایا بہت خوشحال تھی۔ تجارتی شہر اور بندرگاہیں جن میں غیر ملکوں سے تجارت ہوتی تھی۔ بکثرت تھیں"۔

مشہور سیاح ابن بطوطہ نے اپنے سفر نامہ میں لکھا ہے کہ:۔

"جنگ ہائے صلیبی کے زمانہ سے ہندوستان کی تجارت اول وینس بعد ازاں جنیوا کے راستہ سے مغربی ممالک میں ہوتی ہے، لوگ بہت خوشحال ہیں"۔

ہندوستان کے مشہور بادشاہ سلطان ٹیپو کے زمانہ میں ہندوستان کا حال لفٹنٹ کرنل مور (Lieut col Moor) نے اِن الفاظ میں لکھا ہے کہ:۔

"جب ایک شخص اجنبی ملک سے گذرتا ہوا دیکھے کہ زمین آباد ہے، آبادی فروغ پر ہے، شہر بسائے جارہے ہیں۔ تجارت صنعت وحرفت ترقی پر ہے اور ہر چیز میں زندگی اور اُبھار نمایاں ہے تو قدرتاً اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ حکومت ملک کے مناسب حال ہے۔ بس یہی نقشہ سلطان ٹیپو کی حکومت کا سمجھنا چاہیئے"۔

محمد شاہ تغلق نے دہلی میں دو طراز خانے قائم کیے تھے، ایک میں

سُوتی اور ایک میں زری کا کام ہوتا تھا۔ چار چار ہزار آدمی ہر ایک کارخانہ میں کام کرتے تھے۔ ان کارخانوں کے لیۓ محمد شاہ تغلق نے ایران اور ایشیا کوچک کے علاقوں سے کاریگر بُلوائے تھے، اور ان ہی کی نگرانی اور ماتحتی میں کارخانوں کے اندر سوتی اور زری کا کام ہوا کرتا تھا۔

اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسلمان بادشاہوں کو ہندوستان میں صنعت و حرفت کی ترقی اور وسعت کا کس درجہ خیال تھا۔

جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے خصوصًا سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں ہندوستان کی صنعت و تجارت تو اپنے انتہائی کمال کو پہنچی ہوئی تھی، جس کا ثبوت مارکوپولو (Marco polo) سیّاح کی تحریر سے ملتا ہے جو پندرہویں صدی عیسوی میں ہندوستان آیا ہے۔ سیاح موصوف نے لکھا ہے کہ:-

"کیپ آف گڈ ہوپ اور شنگھائی کے ہر بندرگاہ میں کافی اور افراط سے ہندوستان کا بنا ہوا کپڑا فروخت ہوتا تھا اور سلطنت مغلیہ کے زمانہ میں تو ہندوستان کی زمین سونا اُگلنے لگی، اور ہر قسم کی صنعت و حرفت اپنے انتہائی

عروج و کمال پر پہونچ گئی تھی "

مسٹر تھاربرن (Thorburn.) نے رپورٹ متعلقہ بندوبست نوشتہ کرنل ولیس کے حوالہ سے لکھا ہے کہ :-

"بنگال میں صرف دریائے ہگلی سے ۵۰ - ۶۰ جہاز مال سے بھرے ہوئے سالانہ تجارت کے لئے بیرون ہندوستان بھیجے جاتے تھے، ایک ہزار میل کے فاصلہ سے یہ مال کشتیوں پر لایا جاتا تھا۔ اس میں زیادہ تر افیون - مرچ - سونٹھ - تمباکو اور کپڑا ہوتا تھا۔ اور تمام ساحل ہند پر ہندوستانیوں کے بڑے بڑے جہاز تجارتی مال سے لدے ہوئے چلتے پھرتے نظر آتے تھے۔"

ایک مشہور انگریز تاجر و سیاح کپتان الکزنڈر ہملٹن (captain Alexender Hamilton) جس نے اپنی زندگی کے پچیس سال ہندوستان میں گذارے اور ہندوستان کے اکثر و بیشتر مقامات پر گیا۔ اور رہ کر وہاں کے حالات کا جائزہ لیا، اُس نے اپنے سفرنامہ میں اورنگزیب کے زمانہ کی تجارتی حالت کے متعلق ایک واقعہ لکھا ہے کہ :-

" میں نے دیکھا کہ ایک عبدالغفور سوداگر سورت تقریباً بیس جہاز بھر کر مال بھیجتا ہے۔ ہر ایک جہاز (۳۰۰) سے لیکر (۸۰۰) ٹن تک کا تھا۔ اور ہر ایک

میں صرف اس کا مال دس ہزار پونڈ سے پچیس ہزار پونڈ تک کا ہوتا تھا

(یعنی ایک لاکھ پچاس ہزار سے لیکر تین لاکھ پچھتر ہزار روپیہ تک -)

اور جب یہ مال باہر روانہ ہوجاتا - تب بھی اس سے زیادہ مال اس کے

پاس آئندہ کے لئے باقی رہتا -"

اس ایک واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہندوستان کی کارو باری حالت کس قدر بہتر تھی! ہندوستان کی یہ حالت انیسویں صدی کے شروع تک رہی، چنانچہ انگریز مصنفین نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ:-

" انیسویں صدی کے شروع تک ہندوستان ایک زراعتی ملک نہ تھا، بلکہ

ایک عظیم الشان تجارتی ملک تھا - دنیا کے ہر خطہ کے تاجر ہندوستان سے

تجارت کیا کرتے تھے - دنیا کے تمام مہذب اور تعلیم یافتہ ممالک میں ڈھاکہ

اور مرشدآباد کی مشہور زمانہ ململ استعمال کی جاتی تھی - اس قدر نفیس -

باریک اور بہترین ململ ڈھاکہ وغیرہ میں تیار ہوتی تھی کہ بڑے بڑے

شرفا کی خواتین شوق اور فخر کے ساتھ پہنتی تھیں - اس ململ اور چکن کا

شوق اس قدر بڑھا ہوا تھا کہ پندرھویں اور سولھویں صدی میں یورپ

کی مسیحی قومیں جوق در جوق وارد ہو رہی تھیں "

لارڈ میکالے (Lord Macaulay) نے بنگال کے متعلق لکھا ہے کہ :-

"باوجود مسلمان ظالموں اور مرہٹہ لٹیروں کے مشرقی ممالک میں بنگال باغ ارم یا نہایت دولتمند ملک سمجھا جاتا تھا۔ اُس کی آبادی بہت زیادہ بڑھ رہی تھی۔ غلہ کی افراط سے دُور دراز کے صوبہ جات پرورش پاتے تھے اور لندن و پیرس کے اعلیٰ خاندانوں کی عورتیں یہاں کے کرگھوں کے نازک ترین کپڑوں میں ملبوس ہوتی تھیں۔"

یہ تھا اس دَور میں ہندوستان کا اجمالی خاکہ جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ یہاں کی صنعتی ترقی اور تجارتی رفعت و بلندی کا کیا عالم تھا، اب آنے وَالے عنوانات کے ماتحت ہندوستان کی مختلف کامیاب صنعتوں کا الگ الگ تذکرہ کیا جائیگا، جو کسی زمانہ میں ہندوستان کے گوشے گوشے میں پھیلی ہوئی تھیں اور دُنیا کے اکثر و بیشتر ملکوں میں بڑی سے بڑی تعداد میں اپنے گاہک اور خریدار رکھتی تھیں اور جواَب برطانوی حکومت کی ظالمانہ پالیسی پر قربان ہو چکی ہیں۔ جن کا ذکر اَب تاریخوں ہی میں پڑھا جا سکتا ہے۔ لیکن کہیں نظر نہیں آسکتیں۔

انگریزوں سے پہلے ہندوستانی پارچہ بافی!

ہندوستان کی سب سے وسیع، ترقی یافتہ اور فائدہ مند صنعت کپڑا بُننے کی تھی۔ پارچہ بافی میں تو ہندوستانیوں نے ایسا کمال پیدا کیا تھا، کہ دنیا کا کوئی ملک آجتک اس کا مقابلہ نہ کرسکا۔ آج جبکہ ہرطرف کپڑا بننے کی بہتر سے بہتر مشینیں اور کلیں استعمال کی جارہی ہیں، اور اس سلسلہ میں دنیا اس قدر ترقی کرچکی ہے۔ لیکن پھربھی قدیم ہندوستانی پارچہ بافی کا کمال جو تاریخوں میں پڑھا جاتا ہے۔ آج دکھلائی نہیں دیتا۔ پہلے زمانہ کے ہندوستانی کاریگراتنے بہتر خوبصورت اور نازک سُوتی اور اُونی کپڑے، شال اور دوشالے، ململ اور چھینٹیں، تیار کیا کرتے تھے کہ آج اس کا اندازہ مشکل ہے، ان کپڑوں کی نفاست اور نزاکت کے متعلق بعض تاریخی شہادتیں تو ایسی ملتی ہے کہ عقل کام نہیں کرتی، اور ان پریقین کرنا مشکل ہے۔ احمد آباد پارچہ بافی کا بہت بڑا مرکز ہے، صدیوں سے یہاں کا ریشمی کپڑا مشہور ہے۔ یہاں ریشم، کمخواب اور زربفت نہایت نفیس تیار ہوتے تھے۔ مسلمانوں کے دور

حکومت میں ریشم کی صنعت کو احمد آباد میں از حد فروغ ہوا، مسند، شامیانے ہاتھی کی جھولیں، مکان کے پردے اور اسی قسم کے آرائشی سامان زربفت سے بہت بہتر تیار ہوتے تھے۔ اسی طرح میسور میں ٹیپو سلطان نے ریشم کی صنعت کو بہت ترقی دی، لوگوں کو بنگال بھیجکر یہ کام سکھلایا۔ اور بنگال سے ریشم کے کیڑے منگا کر اپنے یہاں پالے۔ اور اس طرح سلطان نے میسور کو ریشم کی صنعت میں دنیا کے اندر ممتاز کر دیا۔

مسٹر بلین (Mr Ballen) نے اپنی کتاب تاریخ سوتی پارچہ بافی مطبوعہ ۱۸۴۵ء کے صفحہ (۵۶) پر لکھا ہے کہ:-

"جدید فیکٹریوں کی پیچیدہ مشینوں کے مقابلہ میں ہندوستان کے کپڑہ بُننے والوں کے آلات پارچہ بافی نہایت سادہ اور بھونڈے ہوتے ہیں لیکن جو کپڑے وہ تیار کرتے ہیں۔ وہ انسانی دستکاری نہیں معلوم ہوتی۔ بلکہ ایسا خیال ہوتا ہے کہ یہ کپڑے پریوں یا کیڑے مکوڑوں نے تیار کیے ہیں اور اب بھی منچسٹر کی اعلیٰ درجہ کی فیکٹریوں کے تیار کیے ہوئے کپڑوں سے ہندوستان کا بنا ہوا کپڑا کہیں زیادہ قابل قدر سمجھا جاتا ہے۔"

کپتان الکزنڈر ہملٹن (Captin Alexender Hamilton) نے اپنے

سفرنامہ میں لکھا ہے کہ :-

" ہندوستان میں بکثرت عمدہ سے عمدہ کپڑا ایسا ملتا تھا جس کی مثال یورپ میں ملنی دشوار تھی۔ اور یہاں روئی کا ایسا کپڑا بنا جاتا ہے۔ جو بہت باریک اور ملائم ہوتا ہے، اور اس قدر پائیدار کہ یورپ کے لوگوں نے کبھی استعمال نہیں کیا۔"

اپنے سفرنامہ میں کپتان موصوف نے دوسری جگہ لکھا ہے کہ :-

" ہندوستان کا کپڑا ایسا عمدہ ہوتا تھا کہ اس کی مانگ نہ صرف ولایت میں تھی، بلکہ ایسے مقامات پر بھی تھی۔ جیسے پیگو اور سماٹرا وغیرہ۔"

سر ولیم ڈگبی آئی۔ سی۔ اِف (Sir William Digby I. C. F.) ممبر پارلیمنٹ نے " پرایس برٹش انڈیا " میں مسٹر ریکرڈز کا ایک قول نقل کیا ہے کہ :-

" ہنر کی بہت سی شاخوں میں ہندوستانیوں کے جوہر کا مقابلہ نہیں ہو سکتا ان کی ململ، شال، زرنگار، ریشم، رُومال وغیرہ کی کاریگریوں کے نمونے ایسے ہیں کہ اب تک برطانوی کاریگران کا مقابلہ کرنے سے عاجز ہیں۔"

اور عمدہ سے عمدہ اور قیمتی سے قیمتی کپڑوں کے بنانے والے اِس کثرت سے

تھے، کہ صرف ایک شہر بیجاپور میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے پچاس ہزار ایسے ملازم رکھ چھوڑے تھے، جو کمخواب، زربفت، چھینٹ اور سادے کپڑے تیار کرنے میں ماہر اور اُستاد تھے، حقیقتاً ہندوستان نے صنعت پارچہ بافی میں انتہائی ترقی کی تھی، اور کپڑا بننے کا کام یہاں اس قدر وسیع پیمانہ پر ہوا کرتا تھا کہ صرف یہی ایک صنعت بیکاری اور بے روزگاری کے سوال کو حل کرنے کے لئے تنہا بڑی حد تک کافی تھی

ڈاکٹر بکاہمن نے ۱۸۱۰ء میں مختلف اضلاع میں چرخہ کاتنے والی عورتوں کی تعداد کا اندازہ کیا تھا، جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

ضلع پٹنہ میں جس کی مجموعی آبادی (۳۳) لاکھ تھی۔ چرخہ کاتنے والی عورتیں (۳۳۰۴۲۶) تھیں۔ جن کی آمدنی (۱۰۸۴۰۰) تھی۔

شاہ آباد ضلع میں چرخہ کاتنے والی عورتوں کی تعداد (۱۵۹۰۰۰) تھی۔ جن کی آمدنی کا اندازہ (۱۲۵۰۰۰) کیا گیا ہے۔ اور ان کے یہاں (۷۹۵۰) کرگھ چلتے تھے۔

ضلع گورکھپور میں چرخہ کاتنے والی عورتیں (۱۷۵۰۰۰) تھیں اور اُن کی آمدنی (۹۱۵۰۰۰) تھی۔ (۶۱۱۴) کرگھ چلتے تھے۔ کپڑا

بُننے والوں کی سالانہ آمدنی (۱۶۱۴۰۰۰) تھی۔

گورکھپور میں صرف ریشم کی تجارت کرنے والے خاندان پانچسو تھے، ضلع بھاگل پور میں (۳۲۷۵) کرگھہ ایسے تھے۔ جن پر صرف ٹسری کپڑا بُنا جاتا تھا۔ اور سوتی کرگھہ کی تعداد (۷،۲۹) تھی جس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ چرخہ کاتنے والوں کی تعداد کیا ہوگی؟

ان اعداد و شمار سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ ہندوستان میں صنعت پارچہ بافی کس قدر وسیع اور کتنی ہمہ گیر تھی، اور اس کے ذریعہ کتنے لاکھ خاندان روزی کماتے تھے اور آرام و آسائش سے اپنی زندگی گذارتے تھے، یہی وجہ تھی کہ ہندوستان میں ہر قسم کا کپڑا اتنی کافی مقدار میں تیار ہوا کرتا تھا جو یہاں کی ضرورت کو پورا کر کے دوسرے ملکوں میں بکثرت بھیجا جاتا تھا۔ اور کپڑے کی عمدگی، خوبصورتی اور پائداری دوسرے ملک والوں کو مجبور کرتی تھی کہ وہ ہندوستان کا کپڑا خریدیں اور استعمال کریں۔

ایچ۔ ایچ ولسن (H. H. Wilson) نے تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ:-

"۱۸۱۳ء میں ایک شہادت کے دوران میں بیان کیا گیا کہ ہندوستان

کے بُنے ہوئے سُوتی اور ریشمی کپڑے اس وقت تک برطانیہ کے بازاروں میں ولایتی کپڑے سے ارزاں بکتے تھے، ہندوستانی مال کی قیمت ولایتی مال کے مقابلہ میں پچاس سے لیکر ساٹھ فی صدی تک کم ہوتی تھی۔ مگر اس پر بھی ہندوستانی کپڑے کی تجارت میں فائدہ رہتا تھا۔"

کپتان الکزنڈر ہملٹن (Captain Alexander Hamilton) نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ :-

"ہندوستان میں بعض شہروں کے کارخانوں میں پچاس پچاس ہزار پارچہ باف کام کرتے تھے۔ اور جو سامان تیار ہوتا تھا، اس کا بڑا حصہ دوسرے ملکوں کو بلکہ خاص یورپ کو جایا کرتا تھا۔"

ہندوستانی مال کی برآمد و نکاسی کا تذکرہ کرتے ہوئے، مسٹر جے، سی، کمارپّا (J. C. Kumarappa) نے "مالیاتِ عامہ" میں لکھا ہے کہ :-

"ہندوستان کے مغربی ساحل کالی کٹ اور مشرقی ساحل مسولی پٹم میں رُوئی کی پیداوار سے خوبصورت ململ تیار ہوتا تھا۔ اٹھارہویں صدی میں ململ کی برآمد انگلستان میں اس قدر ہوگئی تھی کہ انگلستان کی شخت

پارچہ بافی کو تباہی سے بچانے کے لئے بھاری محصولات قائم کردیے گئے۔

ہندوستان سے کپڑے کی برآمد کے متعلق تفصیلی اعداد و شمار کا پیش کرنا مشکل بلکہ تقریباً ناممکن ہے۔ لیکن ذیل کے دو نقشوں کے ذریعہ سترہویں صدی کے آخر سے لیکر اٹھارہویں صدی کے نصف سالوں تک کے اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں جس سے ہندوستان سے کپڑے کی برآمد کا ایک اندازہ ہوسکتا ہے۔ لیکن یہ خیال رہے کہ یہ اعداد و شمار کپڑے کی صرف اُس برآمد کے ہیں، جو ہندوستان سے انگلستان گئے۔ جس سے ہندوستانی کپڑے کی مجموعی برآمد کا قیاس کیا جاسکتا ہے۔

ہندوستان کا کپڑا انگلستان میں

سنہ	برآمد شدہ کپڑہ کی قیمت پونڈ میں	برآمد شدہ کپڑہ کی قیمت روپیہ میں
سنہ ١٧٩٣ء	١٧٩٧٣٤٥ لاکھ پونڈ	٢٦٩٩٦٠١٧٥ – کرور
سنہ ١٧٩٨ء	٣٢٢٥٧٤٥ ″	٤٨٦٨٦١٧٥ ″
سنہ ١٨٠٥ء	٩٧٨٣١٧ ″	١٣٦٧٤٧٥٥ ″
سنہ ١٨١٠ء	١٨١٢٧٣ ″	٢٧١٩٠٩٥ لاکھ

هندوستان کا کپڑا انگلستان میں

سنہ	تعداد تھان جو برآمد ہوئے
سنہ ۱۸۱۳ء	۱۲۶۶۶۰۸ لاکھ تھان
سنہ ۱۸۲۱ء	۵۳۴۴۵۹۰ "
سنہ ۱۸۲۸ء	۴۲۲۵۰۴ "
سنہ ۱۸۳۵ء	۳۶۶۰۸۶ "
سنہ ۱۸۴۳ء	۱۸۱۲۲۴ "
سنہ ۱۸۴۹ء	۳۶۱۵۱ ہزار تھان

لوہے کا کام

لوہے کی صنعت ہندوستان کی ایک مشہور اور ممتاز صنعت تھی جس میں کوئی دوسرا ملک اس کا مقابلہ نہیں کرسکتا تھا، لوہے کی بعض چیزیں مثلاً تلوار وغیرہ تو ہندوستانی اس قدر بہتر بنایا کرتے تھے، کہ وہ دوسرے ملکوں میں ضرب المثل بن گئی تھی۔ عرب جو ایک زمانہ میں

دُنیا کا سب سے زیادہ بہادر اور جنگ جُو ملک تھا، اور جہاں کے لوگ تلوار کی خوبی اور اس کے جوہر کو سب سے بہتر جانتے تھے وہاں کے مصنفین اپنی کتابوں میں اور شعرا، اپنی غزلوں میں جب کبھی تلوار کا ذکر کرتے ہیں تو ہندوستان کی بنی ہوئی تلواروں کی تعریف کرتے ہیں، ہندی تلوار کا لفظ عرب کی بول چال میں ایک مثل کی طرح جاری ہو گیا ہے اور لوہے کی صنعت ہندوستان کی بہت پُرانی صنعت ہے۔ پروفیسر ولسن (Wilson) نے لکھا ہے کہ:-

"ابھی چند دنوں سے لوہا گلانے کا کام انگلستان میں شروع ہوا ہے، مگر ہندوستانی تاریخی زمانہ کے پہلے سے لوہا گلانا اور فولاد بنانا جانتے تھے۔"

مسٹر راناڈے (Ranade) نے معیشت الہند میں لکھا ہے کہ:-

"لوہے کی بنی ہوئی ہندوستانی چیزیں دُنیا میں مشہور تھیں۔ دہلی کے قریب (قطب مینار میں) جو لوہے کی لاٹ ہے وہ گڑھے ہوئے لوہے کی اعلیٰ صنعت ہے۔"

لوہے کی اس لاٹ کے متعلق مسٹر بال (Ball) نے لکھا ہے کہ:۔

"ابھی کچھ زیادہ عرصہ نہیں گذرا کہ دنیا کے سب سے بڑے کارخانے میں بھی ایسے بڑے ستون کی تیاری ناممکن تھی، اور اس زمانہ میں بھی مقابۃً صرف چند کارخانے ایسے ملیں گے جس میں دھات کی اتنی بڑی مقدار ڈھالی جا سکے"

ایک انگریز مقیم بالاسور کے خط مؤرخہ ۱۶ / دسمبر سنہ ۱۶۷۰ء کے حوالہ سے جو اس نے ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی لندن کو لکھا تھا، مسٹر مکرجی لکھتے ہیں کہ:۔

"ہندوستان میں بہترین لوہا بافراط دستیاب ہوتا ہے۔ اور ہر قسم کی کاریگری کا کام مثلاً بولٹو۔ میخ، کیل اور جہاز کے لنگر وغیرہ یہاں کے لوہار نہایت ہوشیاری سے تیار کرتے ہیں"

لوہے کی بنی ہوئی چیزیں ہندوستان سے دوسرے ملکوں میں بھی جایا کرتی تھیں۔ جسے وہاں کے باشندے بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، اور خریدتے تھے۔

معیشت الہند میں مسٹر راناڈے (Mr Ranade) نے

لکھا ہے کہ :-

"لوہے کی صنعت نہ صرف مقامی ضروریات کو پورا کیا کرتی تھی،
بلکہ ہندوستان اپنی بنائی ہوئی چیزیں غیر ممالک کو بھی بہم پہنچایا تھا۔"
کپتان الکزنڈر ہملٹن (captain Alexender Hamilton)
نے اپنے سفر نامہ میں اورنگ زیبؒ کے زمانہ کا ذکر کیا ہے کہ جب موصوف
"شہر ملتان گئے تو وہاں انہیں بہترین تیر دکمان بنانے والے ملے۔
لوہا بکثرت پایا جاتا کہ وہاں جہازوں کے واسطے لوہے کے لنگر بھی
ڈھالے جاتے تھے۔"
یہ چند شہادتیں اس بات کے ثبوت کے لئے بالکل کافی ہیں کہ ہندوستان
میں لوہے کی صنعت بہت ترقی یافتہ تھی، اور بڑے وسیع پیمانہ پر ہوا
کرتی تھی، یہاں تک کہ لوہے کی ہندوستانی چیزوں کو دوسرے ملک کے
لوگ ترجیح دیا کرتے تھے۔ اور اسی کو خریدتے تھے۔

صنعت جہاز سازی

جہاز سازی اور جہاز رانی جس کے متعلق یہ سمجھا جاتا ہے کہ یورپ والے

اور خصوصاً انگریزوں کی قوم اس میں کمال رکھتی ہے، اور آج نہیں، بلکہ عرصہ دراز سے وہ اس میں کمال رکھتے ہیں، اور اسی جہازرانی اور جہاز سازی کی بدولت انگریزوں نے ہندوستان میں ابتداءً اپنی تجارت پھیلائی اور پھر نہایت آسانی سے ہندوستان کی حکومت اپنے ہاتھ میں لے لی، اور اتنے بڑے ملک کے مالک بن بیٹھے۔ لیکن اگر ہندوستان کے حالات کی چھان بین کی جائے تو معلوم ہوگا کہ جہاز سازی کی صنعت اور جہاز رانی کا فن ہندوستان میں بڑے اچھے پیمانہ پر تھا، یہاں بڑے سے بڑے اور بہتر سے بہتر جہاز بنا کرتے تھے، اور ہندوستانی، جہاز رانی میں بھی کمال رکھتے تھے۔

سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) ممبر پارلیمنٹ نے پراسپرس برٹش انڈیا میں لکھا ہے کہ :-

"ہندوستان میں جہاز بنانے کا کام ایسی اچھی حالت میں تھا کہ ہندوستانی کے بنے ہوئے جہاز انگریزی ساخت کے جہازوں کے ہمراہ دریائے ٹیمز میں انگریزی بیڑے کے ماتحت چلتے تھے، گورنر جنرل ہندوستان نے ۱۸۰۰ء میں اپنے آقاؤں کو جو لندن میں رہتے تھے۔ رپورٹ کی کہ کلکتہ کی بندرگاہ

میں دس ہزار نئے جہاز موجود ہیں، جو اسی جگہ بنائے گئے ہیں۔ اور ہندوستان سے انگلستان کو تجارتی مال پہنچانیکے لئے کار آمد ہیں، بمبئی کے ساگوان کے جہاز انگلستان کے شاہ بلوطی جہازوں سے بہت ہی اعلےٰ ہیں۔"

سر ولیم موصوف نے اِس سلسلہ میں مسٹر ڈبلیو چیلین کی ایک شہادت نقل کی ہے جس سے ہندوستان کی صنعت جہاز سازی پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔ شہادت یہ ہے کہ :-

"صرف بمبئی میں ہی سوداگری کے دو جہاز یا ایک سوداگری اور دو جنگی جہاز انگریزی بحری فوج کے لئے اٹھارہ مہینوں میں تیار کئے جا سکتے ہیں، اور بمبئی کے ڈاک (جہاں جہاز بنتے ہیں) اس قابل ہیں کہ بڑی سے بڑی طاقت کا جہاز بھی ان میں تیار ہو سکتا ہے۔ اور بنگال میں جہاز بنانے کا کام جس کمال کو پہنچ چکا ہے، لکڑی کی فراوانی کی وجہ سے اس میں بہت جلد ترقی ہونے کی اُمید ہے۔ اس کے لحاظ سے یقینی امر ہے کہ اس بندرگاہ میں اس قدر جہاز برابر تیار ہو سکیں گے، جس قدر انگریز سوداگروں کو تجارتی مال پہنچانے کے لئے درکار ہونگے۔"

اور خود صنعت جہاز سازی کے "استاد" انگریز اپنے جہاز ہندوستان میں تیار کرایا کرتے تھے۔ ایک انگریز مقیم بالاسور کے خط مؤرخہ ۱۶ار دسمبر ۱۶۷۰ء کے حوالہ سے جو اس نے ڈائرکٹران ایسٹ انڈیا کمپنی کو لکھا تھا، مسٹر مکرجی لکھتے ہیں کہ :۔

"بہت سے انگریز تاجروں کے جہاز اور بادبان ہر سال یہاں تیار ہوتے ہیں، پرانے اور مضبوط قسم کے ساگوان یہاں بکثرت موجود ہیں۔ مضبوط جہاز تیار کرنے میں اور صحت و درستگی کے ساتھ جہازوں کو پانی میں اتار دینے میں یہاں کے کاریگر ہر ہوشیار کاریگر کا مقابلہ کر سکتے ہیں۔"

مسٹر مکرجی مزید فرماتے ہیں کہ ۱۸۰۲ء کے بعد زمانہ میں بھی ہندوستان سے جنگی اور تجارتی جہاز بن کر انگلستان جایا کرتے تھے اور کبھی انگلستان والے یہاں کے مشاق کاریگروں سے جہاز کے نقشے بنوا لیا کرتے تھے۔

مسٹر ڈبلیو چیلن (Mr W. chellan) نے ہندوستان کے جہازوں کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ :۔

"میجر کوپر انجینیر کی نگرانی میں جو ڈاکز (جہاز بنانے کی جگہ) بمبئی میں بنائے گئے ہیں (جس میں ہندوستانی کاریگر ہی کام کرتے ہیں) وہ اعلیٰ درجہ کی

کاریگری کا نمونہ ہیں۔ اور ان کو دیکھ کر انسان دنگ رہ جاتا ہے۔ وہاں بڑی سے بڑی طاقت کے جہاز بھی رکھے جا سکتے ہیں۔ بنگال میں جزیرۂ پرنس آف ویلز اور دیگر بحری مرکز عمدہ سے عمدہ جہاز تیار کر سکتے ہیں۔"

عمدہ ساگوان کی فراوانی، کاریگروں کی افراط اور ہوشیاری نے ہندوستان میں صنعت جہاز سازی کو اس قدر وسیع اور بلند کر دیا تھا کہ یورپ کے تاجر اور تجارتی کمپنیاں ہندوستان میں تجارتی اور جنگی جہاز بنوایا کرتے تھے اور خریدتے تھے اور ہندوستان کا بنا ہوا جہاز یورپ کے مقابلہ میں زیادہ پائدار، مستحکم اور سستا ہوا کرتا تھا۔ سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) نے پراسپرس برٹش انڈیا میں لکھا ہے کہ :-

"ساگوان کا بنا ہوا جہاز پچاس سال سے بھی زیادہ عرصہ تک چل سکتا ہے۔ بمبئی کے بہت سے بنے ہوئے جہاز چودہ پندرہ سال استعمال ہونے کے بعد بحری فوج کے لئے خرید لئے گئے تو نہایت مضبوط ثابت ہوئے۔ مجھے یقین ہے کہ (ہندوستان کا بنا ہوا) سر ایڈورڈ ہیوز نامی جہاز آٹھ سفر سوداگری کے طے کر چکا تھا کہ بحری فوج کے لئے خرید لیا گیا۔ حالانکہ یورپ کا

کوئی جہاز چھ سفر بھی سلامتی کے ساتھ طے نہیں کر سکتا۔ بمبئی میں جو جہاز بنتے ہیں ان پر انگلستان کے مقابلہ میں پچیس فی صدی خرچ کم آتا ہے، اس حساب سے انگلستان کے بنے ہوئے جہازوں پر جو ہر بارہ سال کے بعد از سر نو بنائے جاتے ہیں، چار گونے سے زیادہ خرچ ہوگا۔ فرض کرو کہ انگلستان میں ایک جہاز کے بنانے پر ایک سو پونڈ خرچ ہو تو پچاس سال میں تین دفعہ تجدید کرنے سے اس پر کل خرچ چار سو پونڈ آجائیگا۔ لیکن اگر اتنی طاقت کا جہاز بمبئی میں بنایا جائے۔ تو اس پر صرف پچھتر پونڈ خرچ ہونگے اور پچاس سال تک جوں کا توں رہیگا۔ اس طرح ہم کو تین سو پچیس پونڈ کی بچت ہوگی، اور اگر ہم جہاز کی اصلی قیمت لگائیں تو حسب ذیل نتیجہ نکلے گا:۔ انگلستان میں ایک جہاز پر اصلی لاگت ایک لاکھ پونڈ آتی ہے۔ اور پچاس سال کے اندر تین دفعہ اسکی تجدید کرنے سے کل خرچ چار لاکھ پونڈ ہوگا۔ اور بمبئی میں ایک جہاز کی اصلی لاگت پچھتر ہزار پونڈ آتی ہے اور پچاس برس تک اچھی طرح کام دیتا ہے۔ اس طرح ہندوستانی جہازوں میں ۳ لاکھ پچیس ہزار پونڈ فی جہاز بچت ہوتی ہے"۔

مذکورۂ بالا وجوہ کی بنا پر ہندوستانی جہازوں کی انگلستان کو آمد و رفت بہت زیادہ ہوا کرتی تھی، اور عام طریقہ پر نہ صرف ہندوستانی بلکہ انگریز تاجر بھی اپنے تجارتی مال کے لیجانے اور لے آنے میں یہاں کے بنے ہوئے جہازوں کو استعمال کیا کرتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ اگر انگریزوں کی صنعت کُش پالیسی ہندوستان میں کامیاب نہ ہوتی تو آج ہندوستان صنعت جہاز سازی اور فن جہاز رانی میں دوسرے ملکوں سے کسی طرح پیچھے نہ ہوتا۔ ذیل میں اُنیسویں صدی کے چند اعداد و شمار دیے جاتے ہیں جس سے ہندوستانی جہازوں کی آمد و رفت کا کچھ اندازہ ہوگا۔ یہ اعداد و شمار سر ولیم کی کتاب پراسپرس برٹش انڈیا سے لئے گئے ہیں:-

سنہ	ہندوستانی جہاز جو آئے اور گئے انکی تعداد	ٹن
سنہ ۱۸۵۷ء	۳۴۲۸۶	۱۲۱۹۹۵۸
سنہ ۱۸۹۸، ۹۹ء	۲۳۰۲	۱۳۳۰۳۳
سنہ ۱۸۹۹، ۱۹۰۰ء	۱۶۷۶	۱۰۹۸۱۳

نیل اور دوسرے رنگ کی صنعت

نیل بنانے کا کام ہندوستانیوں کو بہت زمانہ سے معلوم تھا۔ اور اتنی کافی مقدار میں ہندوستان میں تیار ہوا کرتا تھا کہ مقامی ضرورتوں کو پورا کرنے کے بعد دوسرے ملکوں کو بھی بھیجا جاتا تھا۔ سر ولیم نے نیل کی صنعت اور اس کی تجارت کے متعلق مسٹر ریکریڈ (Mr. Rickread) کی ایک شہادت نقل کی ہے :-

"نیل بطور رنگ ابتدائی زمانہ سے مشرقیوں کو معلوم تھا اور اُسے استعمال میں لاتے تھے، اور صرف وہی اس کو باہر بھی بھیجتے تھے۔ گذشتہ سالوں میں بنگال میں نیل کی بڑی وسیع پیداوار انگریزی کاروبار اور انگریزی سرمایہ سے بلاشبہ منسوب کیجاتی ہے۔ لیکن بنگال کی موجودہ پیداوار (اودھ کی پیداوار کو چھوڑ کر) میں سے بیس ہزار صندوق صرف دیسی ہی لوگ پیدا کرتے ہیں۔ بعض دیسی نمونے بالکل ولایتی کارخانوں کے نہایت نفیس نمونوں کے مقابل ہیں۔ ہندوستانی تیار شدہ نیل کو دیسی سوداگروں کے حوالہ کرتے ہیں اور کچھ ہندوستانی تاجر نیل براہ راست یورپ بھیجتے ہیں۔ چونکہ انہیں

معلوم نہیں کہ کس کے پاس بھیجیں، اس لئے اس کا بہت سا حصہ انگریز سوداگروں کے ذریعہ باہر جاتا ہے۔"

نیل کے علاوہ اور مختلف قسم کے بہتر سے بہتر رنگ بھی ہندوستان میں بنائے جاتے تھے، اور وہ دوسرے ملکوں میں بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے اور اچھے داموں میں بکتے تھے۔

کپتان الکزنڈر ہملٹن (Captain Alexender Hamilton) نے اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ :۔

"ہندوستان سے ایک قسم کا رنگ بھی یورپ کو بھیجا جاتا تھا۔ جس سے چھینٹ ایسی عمدہ چھپتی ہے کہ دنیا میں کہیں کا رنگ اس کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا۔"

ہاتھی دانت اور پتھر کی مصنوعات

جے۔ سی۔ کماریا نے لکھا ہے کہ :۔

"ہاتھی دانت اور پتھر کی حسین مصنوعات کی ہر جگہ بڑی مانگ تھی اور ہندوستان کا نام ان مخصوص صنعتوں میں ضرب المثل ہو گیا تھا۔"

آج بھی ہندوستان میں پرانے مندروں یا اس قسم کے دوسرے

مقامات میں پتھر پر ہندوستانی کاریگری کے آثار باقی ہیں، اُن سے ہندوستانیوں کا وہ کمال ظاہر ہوتا ہے، جو زمانہ قدیم میں ان کو پتھر کی مصنوعات میں حاصل تھا۔

تیل، عِطر وغیرہ کی صنعت

تیل، عطر، روغنی برتن، چٹائیاں اور اس قسم کی بہت سی چیزیں، ہندوستان میں بہت کامیابی کے ساتھ تیار کیجاتی تھیں، اور دوسرے ملک کے لوگ ان چیزوں کو بہت پسند کیا کرتے تھے۔ اور ہندوستان سے باہر اس کی بڑی مانگ تھی، اور بہت کافی مقدار میں اس قسم کی ہندوستانی مصنوعات یورپ میں جاکر فروخت ہوا کرتی تھیں، یورپ میں ان مصنوعات کی مقبولیت کا پتہ اس سے چلتا ہے کہ سر ولیم ڈگبی نے جہاں یہ بتلایا ہے کہ ہندوستانی تجارت کو ختم کرنیکے لیے یہاں کی برآمد پر بھاری محصول لگائے گئے۔ وہاں سر ولیم موصوف نے مذکورہ بالا قسم کی بہت سی مصنوعات پر محصول لگانے کا ذکر کیا ہے۔

کچّے مال کی تجارت

کچے مال کی تجارت ہندوستان کی بہت اہم تجارت تھی، اور ہندوستان کی برآمد کا بہت بڑا حصّہ تھی، جس سے لاکھوں ہندوستانی خاندان پرورش پایا کرتے تھے، مصبر، ہینگ، الائچی، کافی، کھانڈ (بغیر صاف کی ہوئی شکر) چائے، گرم مصالحہ اور اس قسم کی بہت سی چیزیں خاص کر یورپ کو جایا کرتی تھیں اور گرم مصالحہ وغیرہ تو اتنی منفعت بخش تجارت تھی کہ جب یوروپین اقوام نے ہندوستان آکر تجارت شروع کی، تو خود یورپین تاجروں میں اور یورپ کی مختلف تجارتی کمپنیوں میں مذکورہ بالا چیزوں کی تنہا اجارہ داری پر خوں ریز لڑائیاں ہوئیں، اور انہوں نے ان تجارتوں کو اپنے لئے مخصوص کر لینے اور اُس سے نفع اُٹھانے کی لالچ میں اپنے سیکڑوں ہموطنوں کا خون بہایا۔

اِس کے علاوہ ہندوستان سے مچھلی، مکھن اور اس قسم کی چیزیں بھی باہر جایا کرتی تھیں۔

کپتان الگزنڈر ہملٹن (Captain Alexander Hamilton) نے

اپنے سفرنامہ میں لکھا ہے کہ :-

"ملابار کے کنارے ایک قوم آباد تھی (جو غالباً موپلا کے نام سے مشہور ہے) اس قوم کے لوگ یورپ کے براعظم کو مچھلیاں بھیجتے تھے۔"

مکھن کے متعلق کپتان موصوف نے لکھا ہے کہ :-

"یورپ میں اس سے بہتر ذائقہ کا مکھن دستیاب ہونا مشکل تھا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زمانہ قدیم میں ہندوستانیوں کو خراب ہو جانے اور سڑ جانے والی چیزوں کو اس طرح رکھنے اور بھیجنے کا طریقہ معلوم تھا کہ وہ کافی دنوں بلکہ مہینوں تک اپنی اصلی حالت پر رہ سکیں اور یہاں کے لوگ مکھن وغیرہ کو اس طرح تیار کرنے کا طریقہ جانتے تھے۔ جس سے کافی عرصہ کے بعد بھی اس کے مزہ میں فرق نہ آئے۔

انگریزوں سے پہلے

ہندوستانی صنعت و تجارت کی ترقی کے وجوہ

اس عنوان کے ماتحت انگریزوں کے اقتدار و اثر سے پہلے ہندوستان کی صنعتی ترقی اور تجارتی رفعت کے مفصل وجوہ پر بحث نہیں کی جائیگی۔

کیونکہ اُن تفصیلات میں جانا ہمارا مقصد نہیں، بلکہ بعض ایسے عام فہم اسباب بیان کیے جائیں گے۔ جس کو ہر شخص سمجھ سکتا ہے اور کوئی انسان جس کی تھوڑی نگاہ بھی ہندوستان کی گذشتہ اور موجودہ صنعت و تجارت کی تاریخ پر ہے اس سے انکار نہیں کر سکتا۔

آج بھی اور گذشتہ زمانہ میں بھی کسی ملک کی صنعت اور تجارت کی ترقی اس ملک کے حکمرانوں یا حکمران جماعت کی ذہنیت اور توجہ پر موقوف رہی ہے، آج بھی مغربی ملکوں نے تجارت میں جو ترقی کی ہے یہ ان کی حکومتوں کی امداد اور توجہ کا طفیل ہے۔ اگر حکومتوں کی مدد اور اس کی طاقت پشت پناہی نہ کرتی۔ تو پرائیوٹ کمپنیاں اور ذاتی اور شخصی تجارتیں اتنی کامیابی حاصل نہ کر سکتیں۔ خود ہندوستان میں تجارت کرنے کے لئے اور یہاں کی منڈیوں پر قبضہ کرنیکی خاطر یورپ کے مختلف ممالک نے اپنی اپنی تجارتی کمپنیوں کے لئے اپنی حکومت کی پوری قوت استعمال کی۔ جس زمانہ میں ہندوستان اور بعض دوسری جگہوں پر یورپ کے مختلف ممالک کی تجارتی کمپنیاں اپنی ترقی، وسعت اور اجارہ داری کے لئے کوشاں تھیں، اُس زمانہ کی مغربی حکومتوں

کی تاریخ قتل، غارت، جنگ اور خوں ریزی سے بھری ہوئی ہے جسکی
تہ میں صرف اپنی اپنی تجارت کے فروغ کا جذبہ کام کر رہا تھا۔
اگر اس اصول کی روشنی میں انگریزوں سے پہلے ہندوستان کی
صنعتی اور تجارتی ترقی پر غور کیا جائے تو وجہ بالکل صاف ہے۔ کہ
پہلے زمانہ میں ہندوستانی راجہ اور مہاراجہ یا بادشاہ اور شہنشاہ
کو ہندوستان کی صنعت اور تجارت کے ساتھ ہمدردی تھی، وہ صنعت
اور تجارت کو پھلتا اور پھولتا دیکھنا چاہتے تھے۔ جس کے لئے وہ
دیانتداری کے ساتھ اپنی جائز کوششیں عمل میں لایا کرتے تھے۔
ان کا طرز عمل تجارت کش اور ہنر کو مٹانے والا نہ تھا۔ اور اس کا
سبب بھی کھلا ہوا ہے کہ ہندوستان میں یا تو حکومت اُن لوگوں نے
کی جو یہیں کے رہنے والے تھے، یا پھر اُن لوگوں نے کی جو گرچہ باہر سے
آئے لیکن آکر رہ گئے۔ اور یہیں کی بود و باش اختیار کر لی، یہاں
کبھی ایسی حکومت نہیں ہوئی جیسی سلطنت برطانیہ کر رہی ہے
کہ گورنر جنرل سے اوپر کے لوگوں کی صورتوں پر تو مخصوص ہندوستانیوں
کی اتفاقاً نگاہ پڑتی ہے، اور جو حاکم ہندوستان آتا ہے، وہ بطور

یہاں چند سال ہندوستان میں گذار کر پھر اپنے وطن ولایت کو واپس چلا جاتا ہے، چونکہ ہندوستان کے حاکم اور حکمران جماعت بالکل بدیسی ہیں۔ اس لئے انہیں ہندوستان کے مفاد سے کوئی دلچسپی نہیں، اور ان کے سامنے ہر وقت اور ہر حیثیت سے اپنے وطن کا مفاد رہتا ہے، اس لئے وہ ہندوستان کی صنعت اور تجارت کے دشمن ہیں، کیونکہ اسی میں ان کے وطن کا فائدہ ہے۔ یہ کیفیت پہلے زمانہ میں نہ تھی۔

سر جان میلکم (Sir John Malcolm) نے لکھا ہے کہ:۔

"مجھے یہ دیکھ کر سخت حیرانی ہوئی کہ مختلف شہروں کے درمیان روپیہ پیسہ کا بیوپار نہایت وسیع پیمانہ پر جاری ہے، یہاں کے ساہوکار اور صراف دولتمند ہیں اور ترقی کے انتہائی درجہ پر پہونچے ہوئے ہیں۔ اس علاقہ میں مال کی درآمد و برآمد ہمیشہ کثیر مقدار میں ہوتی رہتی ہے۔ بیمہ کے دفاتر جو سارے ہندوستان میں جاری ہیں۔ کبھی اپنا کاروبار بند نہیں کرتے۔ مجھے اس بات کا مطلق یقین نہیں کہ ہماری حکومت نے اس ملک کی ترقی میں امداد کی ہے، صرف یہی نہیں بلکہ پہلے بادشاہوں کی حکومت دوبارہ قائم

ہو جانے سے جو ترقی و خوش حالی، تجارت و زراعت میں ہوتی ممکن تھی،

ہم نے وہ بھی نہیں کی، دکھنی علاقہ، مہاراشٹر جس کی زراعتی اور تجارتی

فارغ البالی کا میں نے ذکر کیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ ہمارے عہد حکومت

میں ایسی ترقی کر سکے۔ وہاں کا طریق حکومت نہایت ملائم اور بیدارانہ ہو"

انگریزوں کے اثر و اقتدار سے پہلے ہندوستان کے تجارتی و صنعتی فروغ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اُس دور کے حکمرانوں نے ہندوستان کے صناعوں اور تاجروں کے لئے بہت سی سہولتیں اور آسانیاں بہم پہنچا رکھی تھیں، اور اُس زمانہ میں حکومت نے ایسے قانون بنا رکھے تھے، اور پورے ہندوستان کے عمال اور ماتحت حاکموں کے نام ایسے فرامین اور احکام جاری کر رکھے تھے، جن سے ہندوستان کا ہر صناع، اہل حرفہ اور تاجر اطمینان اور سکون کے ساتھ اپنے کاروبار کی ترقی میں مشغول رہتا تھا۔ اور جن قوانین اور فرامین کے سایہ میں صنعت اور تجارت پرورش پاتی تھی۔ اور سرسبز و شاداب ہوتی تھی۔

مریڈیتھ ٹاون اسٹنڈرڈ (Meridith Town

Standerd) نے لکھا ہے کہ :-

"عام انگریزوں کو یہ سمجھانا مشکل ہے کہ ہماری حکومت سے پہلے ہندوستانی زندگی کیسی پر لطف تھی۔ کاروباری اور باہمت لوگوں کے واسطے کیسی آسانیاں میسر تھیں۔ مجھے پختہ یقین ہے کہ انگریزوں کے آنے کے پہلے، کاروباری ہندوستانی نہایت آرام کی زندگی بسر کرتے تھے۔"

پہلے زمانہ میں تاجروں اور صناعوں کو اپنے کاربار میں اتنی آسانیاں میسر تھیں کہ آج ان پر یقین کرنا مشکل ہے، تاجر جب اپنا مال تجارت لیکر گھر سے چلا تو حکومت کی حفاظت میں آجایا کرتا تھا۔ اُس کی اور اسکے مال کی حفاظت کی ذمہ داری حکومت پر تھی۔ راستہ میں اسکے آرام اور اسکی سہولت کے لئے بہتر سے بہتر انتظامات ہوا کرتے تھے، اسکے مال تجارت کو یہاں سے وہاں منتقل کرنے کے انتظامات حکومت اپنے خرچ سے کیا کرتی تھی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی نے جب ایک ریاست پر قبضہ کرنا چاہا۔ تو مسٹر ہالول (Mr Halwell) نے لکھا تھا کہ:-

"فی الواقع وہاں کے خوش حال لوگوں کو پریشان کرنا تقریباً ظلم کی حد تک پہنچ جائیگا۔ کیونکہ اس ضلع میں ہی قدیم ہندوستان کی خوبصورتی،

تقویٰ، باقاعدگی اور انصاف کے نقش پا موجود ہیں، یہاں لوگوں کی ملکیتیں اور آزادیاں محفوظ ہیں۔ یہاں کسی قسم کی لوٹ مار سُننے میں نہیں آتی۔ ایک مسافر کے پاس خواہ سامان تجارت ہو یا نہو۔ وہ فوراً حکومت کی نگرانی میں آجاتا ہے۔ جس کے لئے بغیر کسی قسم کے معاوضہ کے محافظ مقرر کردیئے جاتے ہیں۔ جو اُسے منزل بمنزل پہنچاتے ہیں، اور یہ محافظ جان و مال کی حفاظت اور قیام کے جواب دِہ ہوتے ہیں، پہلی منزل کے ختم ہونے پر وہ چند خوشگوار مراسم کے بعد دوسرے محافظوں کے سپرد کردیا جاتا ہے۔ جو اُس مسافر سے چند سوالات پچھلے محافظوں کے برتاؤ کے متعلق پوچھ کر انہیں اس برتاؤ کی سند اور مسافروں کی رسید دیکر رخصت کردیتا ہے۔ یہ سند پہلی منزل کے افسر اعلیٰ کے پاس پہنچتی ہے، اور وہ اُسے اپنے بادشاہ کے پاس بھیج دیتا ہے اس طریقہ سے مسافر ملک میں گذارا جاتا ہے۔ اور کھانے، قیام، سواری اور سامان تجارت کی بار برداری میں اُس پر کسی قسم کا بار نہیں ڈالا جاتا ہے۔ بجز اُس صورت کے کہ وہ تین روز سے زیادہ قیام کرے، اور اگر بیمار ہوجائے یا کوئی حادثہ پیش آجائے تب بھی

اُس سے خرچہ نہیں لیا جاتا۔ اگر کوئی چیز اُس علاقہ میں مثلاً روپیہ کی تھیلی وغیرہ گم ہو جائے، تو جس شخص کو ملتی ہے۔ وہ اُسے نزدیک کے درخت پر لٹکا دیتا ہے اور قریب کی چوکی (تھانہ) پر اطلاع کر دیتا ہو اور اس چوکی کا حاکم فوراً اس کی منادی بذریعہ ڈھول کرا دیتا ہے۔"

اس تحریر سے، پہلے زمانہ کی حکومت کے نظام اور اُس کے قواعد کا اچھی طرح اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ مسافروں اور تاجروں کو اپنے سفر اور تجارتی مال کے انتقال میں کس قدر آسانیاں اور سہولتیں میسّر تھیں، انگریزوں کے دَور میں اس قسم کی چیزیں محض خواب و خیال ہیں۔

کپتان الکزنڈر ہملٹن (captain Alexender Hamilton) نے اپنے سفرنامہ میں عالمگیر کے زمانہ کا حال لکھا ہے کہ :-

"اورنگ زیب کے زمانہ میں حکومت نے تاجروں کے مال کی حفاظت کی ذمہ داری اپنے اوپر اس قدر لے لی تھی کہ اگر ان کا مال چوری جاتا۔ تو حکومت خزانہ شاہی سے نقصان کی تلافی کر دیتی۔ یہی وجہ تھی کہ اورنگزیب کے زمانہ میں ہندوستان کی تجارت کا مقابلہ یورپ کے بڑے بڑے ممالک بھی نہیں کر سکتے تھے۔ اسی تجارت اور مال کی درآمد و برآمد کا نتیجہ تھا کہ

صرف شہر سورت میں چُنگی کی آمدنی تیرہ لاکھ تھی، اور احمد آباد میں ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ سالانہ تھی"۔

پہلی حکومتوں نے محض ہندوستانی تجارت کی ترقی کی خاطر یہ اُصول بھی رکھا تھا کہ تجارتی مال پر ٹیکس برائے نام رکھا جائے، تاکہ مال گراں نہ پڑے اور زیادہ سے زیادہ مقدار میں فروخت ہو سکے۔ اور اگر کسی دوسرے مال سے مقابلہ کی صورت پیدا ہو جائے تو مقابلہ میں ٹھہر سکے، یہ بھی تجارتی ترقی کی ایک بڑی وجہ تھی، کیونکہ یہی محصول تجارت کی ترقی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ اگر مناسب مقدار میں لیا جائے اور محصول کی آمدنی تجارتی مال کی حفاظت، نقل و حرکت کی آسانی اور تاجروں کی سہولت پر خرچ کی جائے، اور یہی محصول تجارت کی تباہی کا سبب بھی بن سکتا ہے، اگر حد سے زیادہ وصول کیا جائے، اور اُس کی آمدنی تجارتی ترقی پر صرف نہ کیجائے، جیسا کہ انگریزوں نے کیا، اور ہندوستانی تجارت کی تباہی کا سب سے بڑا باعث ہوا جسکی تفصیل کسی اگلے باب میں آئیگی۔

اور یہ بھی پہلی حکومت کی شان انصاف تھی کہ اُس نے محصول کی کمی

صرف ہندوستانی تاجروں کے لئے مخصوص نہیں رکھی تھی۔ بلکہ یوروپین اور عیسائی تاجروں کے مال پر بھی محصول کم تھا، اور محصول کی وصولی کا طریقہ بھی ایسا تھا کہ جسے حد درجہ عادلانہ اور تجارت پرور کہا جا سکتا ہے:

کپتان الکزنڈر ہملٹن (captain Alexender Hamilton) نے عالمگیر کے زمانہ کے متعلق لکھا ہے کہ :-

"عالمگیر کے زمانہ میں ٹیکس بہت کم تھا۔ تجارتی مال پر مسلمانوں سے (اور تمام ہندوستانیوں سے) دو فی صدی اور عیسائیوں سے ۳-۳ ½ فی صدی لیا جاتا تھا۔ لیکن مسلمانوں سے ایک محصول اور لیا جاتا تھا۔ جس کو پال ٹیکس کہتے ہیں"۔

کپتان موصوف کے بیان کے مطابق محصول کی وصولی کا طریقہ یہ تھا کہ آخر سال میں جس قدر مال یوروپین تاجروں کے حساب سے فروخت ہوتا اس پر محصول لیا جاتا ہے۔ جب مال ساحل ہند پر اُترتا تو فوراً اس پر کوئی محصول نہیں لیا جاتا۔ یا جو مال آخر سال میں بچ جاتا اور فروخت نہ ہوتا، اس پر بھی محصول معاف تھا۔

لیکن جب ایسٹ انڈیا کمپنی نے غیر دیانتدارانہ رویہ اختیار کیا۔ اور

اُس قلیل محصول سے بچنے کی خاطر مال کی بکری وغیرہ کے حسابات غلط لکھنے شروع کئے تو پھر مجبوراً محصول وصول کرنیکے مروجہ طریقہ میں کچھ تبدیلی کی گئی۔

غرض یہ تھیں چند کھلی وجہیں جس نے انگریزوں سے پہلے ہندوستانی صنعت وتجارت کو ترقی وعروج کے انتہائی زینوں پر پہنچا دیا تھا۔ ایسی ترقی جو یورپ والوں کے لئے رشک وحسد کا باعث ہوئی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ انگریزوں نے ہندوستانی صنعت اور تجارت کی تباہی وبربادی کا عزم مصمم کرلیا اور پھر اپنے ارادہ کی کامیابی کے لئے تمام جائز وناجائز بلکہ ایسے ایسے ناپاک گندے، اور ظالمانہ طریقے اختیار کئے، جسکی اُمید ایک درندے سے بھی نہیں کیجا سکتی۔ ان وحشیانہ حرکات کا نتیجہ بھی کھلا ہوا ہے، جو اگلے صفحات سے ظاہر ہوگا۔

ہندوستان میں یورپ کی تجارتی کمپنیاں

اگر ہندوستان کی تاریخ کو تجارتی حیثیت سے تقسیم کیا جائے، تو تین دور ہوتے ہیں۔ پہلا دور تو وہ ہے جو ہندوؤں کا زمانہ شمار کیا جاتا ہے جو تخمیناً

دو ہزار سال قبل حضرت عیسیٰ علیہ السّلام سے شروع ہوکر دسویں صدی عیسوی میں ختم ہوجاتا ہے، اور جیسا کہ پہلے بھی تبلایا گیا ہے کہ اس دور کی تاریخیں مرتب نہیں ہیں اور جو ہیں ان میں ہندوستان کی اقتصادی حالت پر بحث گویا نہیں کی گئی ہے۔ لیکن پھر بھی ہندوؤں کی مذہبی کتابوں پرانے سیاحوں کے سفرناموں اور آثار قدیمہ کے کتبوں سے اور اسی طرح کی دوسری چیزوں سے ہندوستان کے اقتصادی حالات پر کچھ روشنی پڑتی ہے، اور ان سے ہندوستان کی صنعت اور تجارت کا ایک حد تک پتہ چلتا ہے۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں بھی بحری اور بری راستوں سے دور دراز ملکوں تک ہندوستان کی تجارت پھیلی ہوئی تھی اور اسی تجارت کے ذریعہ ہندوستان کے لوگ جہاز رانی اور ملاحی کے فن میں کافی مہارت رکھتے تھے، ہندوستان کے ساحل پر بہت سے بندرگاہ آباد تھے۔ اور خشکی کے راستوں سے بھی دور دراز تک تجارتی قافلے جایا کرتے تھے۔

گیارھویں صدی عیسوی سے ہندوستان میں مسلمانوں کا دور شروع ہوتا ہے۔ یوں تو کہا جاسکتا ہے کہ انیسویں صدی کے وسط میں یہ دور ختم ہوا، لیکن شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے بعد

اٹھارہویں صدی کے شروع ہی سے سلطنت مغلیہ میں بڑی کمزوری پیدا ہوگئی۔ بہرحال گیارہویں صدی سے اٹھارہویں صدی تک ہندوستان کی تاریخ میں مسلمانوں کا دَور شمار کیا جاتا ہے۔ اس زمانہ کی بہت کافی تاریخیں موجود ہیں، جن کی صحت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جن میں ہندوستان کے اقتصادی حالات پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔ اور اُن سے ہندوستان کی صنعت اور تجارت کے حالات پوری طرح معلوم ہوسکتے ہیں۔ جیسا کہ پہلے بھی کہا گیا ہندوستان کا یہ تاریخی دور تجارتی حیثیت سے بہت ہی ممتاز اور قابلِ فخر ہے۔ اس دَور میں ہندوستان کی صنعت اور تجارت نے لائقِ رشک ترقی کی، اور ہندوستان دنیا کا سب سے بڑا تجارتی مرکز قرار پایا۔ یوں تو ہندوستان کی داخلی تجارت نے بہت ہی فروغ پایا۔ اور جس طرح آج زراعت ہندوستان کا عام پیشہ بن گئی ہے۔ مسلمانوں کے دَور میں صنعت و تجارت ہندوستان کا عام پیشہ بنی ہوئی تھی، اسی کے ساتھ ساتھ تجارت خارجہ نے بھی خوب ترقی کی۔ برّی اور بحری راستوں سے ہندوستان کی تجارت دُور دُور تک پھیلی ہوئی تھی۔ حتیٰ کہ مغرب میں فارس، عرب، مصر بلکہ اٹلی، یونان

اور انگلینڈ تک پھیلی ہوئی تھی اور مشرق میں چین و جاپان تک مال جاتا آتا تھا، لیکن بحری تجارت کے مقابلہ میں بری تجارت نے زیادہ ترقی کی، مسلمانوں کے دور میں ہندوستان کی مصنوعات دوسرے ملکوں کیلئے معیار و نمونہ مانے جاتے تھے۔

ہندوستان کی تجارتی تاریخ کا تیسرا دور دراصل اٹھارہویں صدی سے شروع ہوتا ہے جبکہ سلطنت مغلیہ کے زوال کے ساتھ یورپ کی تاجر کمپنیوں کے قدم ہندوستان میں مضبوطی کے ساتھ جمنے شروع ہو گئے اسی دور میں ہندوستان پر ہر قسم کی بربادی آئی، ہندوستان کی صنعت اور تجارت کو مسلمہ طور پر نہ صرف شدید صدمہ پہنچا بلکہ تباہ ہو گئی اور صنعت و تجارت کے بجائے ہندوستانیوں کا عام پیشہ صرف زراعت رہ گیا۔ غرض ہندوستانیوں کی تجارتی تاریخ کا نیا دور اٹھارہویں صدی سے شروع ہوا اور اسوقت تک جاری ہے اور دیکھئے کب ختم ہوتا ہے۔

غرض ہندوستان تجارت و صنعت کا مرکز تھا اور یہاں کے باشندے سکون اور چین سے زندگی بسر کر رہے تھے کہ پندرہویں صدی آئی اور یورپ کی تجارتی کمپنیاں ہندوستان پہنچنے لگیں، اور یہیں سے ہندوستان کی تجارتی تاریخ نے پلٹا کھایا،

اس باب کا مقصد ہندوستان میں انگریزوں کے تسلط و اقتدار کی مکمل تاریخ بیان کرنا نہیں ہے، کیونکہ یہ ہمارے موضوع سے باہر ہے بلکہ خیال صرف یہ ہے کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے وہ حالات لکھ دیئے

جائیں جس کا تعلق تجارت سے ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ کب اور کس طرح کمپنی نے ہندوستان میں کاروبار شروع کیا۔ کس طرح کمپنی کی تجارت نے فروغ پایا۔ کن کن موافق و مخالف حالات سے کمپنی کو گذرنا پڑا۔ ان چیزوں کے معلوم ہوجانے کے بعد واقعات کی صحیح ترتیب ذہن میں آجائیگی، ہندوستان کی تجارتی تاریخ کا سلسلہ ملجائے گا۔ اور ہندوستان کی بے نظیر صنعت و تجارت کی تباہی اور بربادی کے اصلی اسباب بھی سامنے آجائیں گے اور گذشتہ ابواب سے جن میں صنعت و تجارت کا عروج بیان کیا گیا ہے، آنے والے ابواب کا تعلق بھی واضح ہوجائیگا۔ جس میں صنعت و تجارت کی تباہی کا ذکر ہے۔

یورپین تجارتی کمپنیوں کی آمد ہندوستان میں

دراصل یورپ میں انقلاب کی بنیاد جنگ ہائے صلیبی کے اختتام سے پڑتی ہے۔ وہ مذہبی جنگ جو عیسائیوں نے مسلمانوں کے ساتھ تقریباً سوا دو سو سال تک لڑی اور جسمیں یورپ کو پے در پے ناکامیاں

ہوئیں۔ اور سلطان صلاح الدین ایوبی کے ہاتھوں یورپ کے بڑے بڑے الوالعزم اور دل و دماغ والے بادشاہوں نے شکستیں کھائیں۔ اُن کا نتیجہ یورپ کے حق میں پست ہمتی اور جمود کی شکل میں ظاہر نہیں ہوا بلکہ یہ ناکامیاں یورپ والوں کے لیے تازیانۂ عبرت بن گئیں۔ اور اس نے یوروپین اقوام میں اپنی ترقی و اصلاح کا جذبہ پیدا کر دیا، اور خود مسلمانوں سے انہوں نے مختلف علوم و فنون حاصل کرنے شروع کر دیئے۔ اور اسی کے بعد یوروپین جہازرانوں کے ترقی یافتہ جذبات نے ہندوستان کی نئی راہ نکالی۔ جن کی تفصیلات سے کتابیں لبریز ہیں۔ اس جگہ تو صرف ربط قائم کرنے کے لیے حاصل لکھا جاتا ہے۔

جیسا کہ بتلایا جا چکا ہے کہ عرصہ دراز سے ہندوستان اور یورپ کے درمیان سلسلہ تجارت قائم تھا۔ زمانہ قدیم میں بادبانی جہاز بحر عرب اور بحر احمر کے راستہ سے مصر کے مشرقی ساحل سے ہوتے ہوئے ہندوستان کے مغربی ساحل پر آتے جاتے تھے۔ ہندوستان کے ساحل مالابار پر اچھے اچھے بندرگاہ تھے۔ مصر کے شمالی ساحل پر اسکندریہ کا بندرگاہ ہے جو یورپ کی تجارت کا ہمیشہ سے بڑا مرکز رہا ہے۔ مصر میں مشرقی ساحل

سے اسکندریہ تک برّی راستے جاری تھے۔ دریائے نیل سے بھی آمد و رفت میں مدد ملتی تھی، یورپ کے جنوبی ممالک خاص کر یونان اور اطالیہ کے تجارتی جہاز بلا تکلف اسکندریہ آتے جاتے تھے۔ اس طرح مصر اور اسکندریہ کے واسطہ سے ہندوستان اور جنوبی یورپ کے درمیان تجارتی سلسلہ قائم تھا، سندھ، بلوچستان، فارس اور عراق کے طویل برّی راستوں سے ہندوستان کی تجارت ایشیائے کوچک، شام اور ارض فلسطین تک پھیلی ہوئی تھی۔ قسطنطنیہ اور بیروت وہاں کے مشہور بندرگاہ ہیں۔ خاص کر اطالیہ کے تجارتی جہاز یہاں بکثرت آتے جاتے تھے، خلیج فارس کے راستہ سے بھی ہندوستان کی تجارت عراق اور شام میں جاری تھی، اسی تجارت کی بدولت بصرہ کے بندرگاہ نے خوب ترقی کی۔ بہر حال بحری اور برّی راستوں سے ہندوستان کی تجارت مغربی ملکوں میں خوب پھیلی ہوئی تھی۔ اسی دوران میں یکے بعد دیگرے ایشیا کے تمام مغربی ممالک اور افریقہ کے شمالی ممالک خاص کر مصر میں مسلمانوں کی حکومتیں قائم ہوگئیں، اور اس طرح ہندوستانی تجارت کے پرانے راستے یورپ والوں کے ہاتھ سے نکل گئے یا کم از کم وہاں پہلی سی سہولتیں باقی نہ رہیں۔ اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ مسلمانوں کی حکومتوں میں تو ہندوستان کی تجارت نے خوب ترقی کی۔ لیکن یورپ میں پہلا سا سلسلہ باقی نہ رہا۔ لیکن یہ پہلے ہی معلوم ہو چکا ہے کہ یورپ میں ہندوستانی مصنوعات بہت جاری ہو چکی تھیں اور انہیں ہندوستان کی نفیس چیزوں کے استعمال کا بڑا شوق پیدا ہو چکا تھا۔ اس لئے یورپ میں ہندوستانی مال کی تجارت بہت ہی نفع بخش تھی۔ اسی تجارت کے شوق میں یورپ کے جہازرانوں نے ہندوستان آنے جانے کے لئے نئے بحری راستہ کی تلاش شروع کی اور بالآخر اُن کی ہمتوں نے انہیں ہندوستان کا راستہ دکھلاہی دیا۔ جس کی تھوڑی سی تفصیل ذیل میں درج کیجاتی ہے۔

پرتگال کی کوشش ہندوستان کی نئی راہ کے لئے

پندرہویں صدی کی ابتدا ہی سے پرتگالیوں نے سب سے پہلے ہندوستان پہنچنے کا کوئی قریب اور نیا راستہ دریافت کرنے کی کوشش شروع کی۔ براعظم افریقہ ان کے ملک کے بالکل قریب تھا۔ اس کے مغربی ساحل پر انہوں نے جنوب کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ جا بجا ساحلی مقامات

پر قبضہ کرتے گئے۔ پھر ان کو یہ اُمید بندھ گئی کہ افریقہ کے جنوبی ساحل تک پہنچ جانے کے بعد ان کو اس کے گرد گھوم کر ہندوستان جانے کا راستہ بھی مل جائیگا۔ جب یہ اُمید قوی ہوگئی تو ۱۴۸۴ء میں شاہ پرتگال نے ہمعصر شاہان یورپ کو بھی اس مہم میں شرکت اور مدد کی دعوت دی کہ سب مل کر ہندوستان کا راستہ معلوم کریں اور جو فتوحات ہوں ان کو بانٹ لیں یا اس کو تنہا یہ مہم سر کرنے دیں۔ لیکن پھر حصہ کا دعویٰ نہ کریں۔ لیکن کوئی اس کے لئے آمادہ نہ ہوا۔ پرتگالیوں نے تنہا اپنا کام شروع کر دیا۔ اور دو ہی سال کے اندر یعنی ۱۴۸۶ء میں وہ ساحل افریقہ کے انتہائی جنوبی مقام تک پہنچ گئے۔ جس کا نام انہوں نے امید افزا راس (کیپ آف گڈ ھوپ) رکھا۔ جس کے گرد گھومتے سے ہندوستان کا سیدھا بحری راستہ مل جاتا ہے۔

اسی اثنا میں مشہور اطالوی جہاز راں کولمبس نے ہندوستان کے لئے ایک قریبی راستہ دریافت کرنے کا تہیہ کیا اور یورپ کے بادشاہوں سے امداد طلب کی۔ لیکن پرتگال اور انگلستان نے انکار کر دیا۔ لیکن خوش قسمتی سے شاہ اسپین امداد کو تیار ہوگیا۔ کولمبس دراصل ہندوستان

کے راستہ کی تلاش میں نکلا تھا۔ لیکن چلتے چلتے ۱۴۹۲ء میں بلا کسی اُمید کے اس کو امریکہ مل گیا۔ ابتداءً کولمبس نے امریکہ کو ہندوستان ہی سمجھا، امریکہ بھی بہت وسیع اور زرخیز ملک نکلا۔ جس سے اسپین کی قسمت جاگ اٹھی۔

گرچہ پرتگال کے جہاز راں ۱۴۸۶ء میں کیپ آف گڈ ھوپ تک پہنچ چکے تھے۔ لیکن کولمبس نے اسپین کے واسطے امریکہ دریافت کیا تو پرتگال کو بہت رشک ہوا، اور اپنی کامیابی، ناکامی محسوس ہونے لگی۔ آخر پرتگال کو پھر ہندوستان کا بحری راستہ دریافت کرنے کی فکر دامنگیر ہوئی۔ اور اس مقصد کے لیئے تین بادبانی جہازوں کا ایک چھوٹا سا بیڑہ جس میں کل (۱۶۰) آدمی سوار تھے مشہور سیاح واسکوڈی گاما ( ) کی سرکردگی میں ۸ جولائی ۱۴۹۷ء کو پرتگال سے روانہ ہوا۔ تقریبًا ساڑھے چار ماہ میں ۲۰ نومبر ۱۴۹۷ء کو یہ بیڑہ کیپ آف گڈ ھوپ جا پہنچا۔ یہاں سے ہندوستان تک بحر ہند موجیں مارتا ہے لیکن کچھ پتہ چلائے بغیر اس میں چل پڑنا خطرہ سے خالی نہ تھا اسلئے بیڑہ افریقہ کے مشرقی ساحل کے قریب قریب شمال کی طرف بڑھا۔ اور

کئی ساحلی آبادیوں میں ٹھیرتا ہوا ممباسہ سے اوپر ملندا تک پہنچ گیا۔ ملندا ایک تجارتی بندرگاہ ہے۔ اور اسی زمانہ میں وہاں چار پانچ جہاز ہندوستان سے مال لیکر آئے ہوئے تھے۔ ان جہاز والوں سے بحری راستہ کی پوری کیفیت معلوم ہوگئی، بلکہ پرتگالیوں نے ان میں سے ایک جہازراں کو جو گجرات کا باشندہ تھا اور اپنے فن کا بہت بڑا ماہر تھا، ملازم بھی رکھ لیا۔ اور اس گجراتی جہازراں کی سرکردگی میں پرتگالی بیڑہ ۲۲ر اپریل ۱۴۹۸ء کو ہندوستان کی طرف روانہ ہوا۔ گجراتی جہازراں ایسے سیدھے راستہ سے بیڑہ کو لایا کہ تقریباً تین ہفتہ میں بحرِ ہند پار ہوگیا۔ اور بتاریخ ۲۰ر مئی یوم دوشنبہ ۱۴۹۸ء پرتگالی جہاز ساحل مالابار پر بمقام کالی کٹ پہنچ گئے۔ اس طرح پرتگال سے ہندوستان تک ساڑھے دس مہینہ میں بحری سفر طے ہوا۔ اور ۲۰ر مئی ۱۴۹۸ء ہندوستان کی تاریخ میں قابل یادگار دن ہے۔ جس دن قدرت نے غالباً ایک عرصہ تک کے لئے ہندوستان کی غلامی کا فیصلہ کیا۔ اسی روز سے یورپ اور ہندوستان کے درمیان براہ راست آمد و رفت شروع ہوئی، پرتگالیوں کا یہاں دو تین ماہ

قیام رہا۔ کالی کٹ کے ہندو راجہ زمورین کے دربار میں پرتگالیوں کی حاضری ہوئی۔ لوگوں سے ملاقات ہوئی، خرید و فروخت ہوئی، اور کچھ غلط فہمی اور کشمکش بھی ہو گئی۔ چنانچہ اگست ۱۴۹۸ء میں پرتگالی جہاز کالی کٹ چلد یئے۔ اور بدقت تمام کہیں ستمبر ۱۴۹۹ء میں پرتگال پہنچے، ایک سو ساٹھ پرتگالیوں میں سے جو بیڑے میں روانہ ہوئے تھے، صرف پندرہ آدمی زندہ واپس آئے۔ بقیہ لوگ سفر کی سختیوں اور تکلیفوں کی نذر ہو گئے۔ ان کی واپسی پر سلطنت پرتگال میں گھر گھر خوشیاں منائی گئیں اور واسکوڈی گاما کا بہت ہی شاندار جلوس نکالا گیا۔ اور اس کو بادشاہ کی طرف سے بڑے اعزازات و انعامات عطا ہوئے سب کو خوشی یہ تھی کہ ہندوستانی تجارت کی کنجی ہاتھ آگئی۔

اب کیا تھا پرتگال سے تجارتی جہازوں کی آمد و رفت شروع ہو گئی اور ساتھ ہی ساتھ پرتگال نے قیام سلطنت کی تدبیریں بھی شروع کر دیں اور مختلف مقامات کو فتح بھی کر لیا۔ اور اس طرح ہندوستان میں پرتگال کے قدم بظاہر مضبوطی کے ساتھ جم گئے اور تجارتی کاروبار بھی زوروں پر چلتا رہا۔ لیکن ۱۵۶۵ء کے بعد سے کچھ ایسی صورت

حالت پیدا ہوئی کہ پرتگالیوں کے قدم ہندوستان سے اکھڑنے لگے دوسری طرف پرتگالیوں نے اپنی مقبوضات میں مذہب عیسوی پھیلانے کی بے انتہا کوشش شروع کردی اس لئے رعایا بدظن اور بیزار ہوگئی، نتیجہ یہ ہوا کہ سولھویں صدی کے آخر میں پرتگالیوں کے تمام کارناموں پر پانی پھر گیا، نہ صرف ہندوستانی تجارت بلکہ مشرقی مقبوضات بھی اُن کے ہاتھوں سے نکل گئے۔ جو کچھ رہ گئے وہ بطور یادگار اب بھی باقی ہیں۔

ہالینڈ کی آمد ہندوستان میں

ایک طرف تو ہالینڈ کو پرتگال کی ہندوستان میں کامیابی رشک ہو رہا تھا۔ دوسری طرف عرصہ سے ہالینڈ بھی ہندوستان کے لیے بحری راستہ کی تلاش میں مصروف تھا لیکن تجربہ نے بتلایا کہ پرتگال کے نکالے ہوئے راستہ سے بہتر کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے اس لئے ہالینڈ نے بھی اسی راستہ سے ہندوستان پہنچنے کی کوشش شروع کردی، پرتگال نے مزاحمت کی، ابتداءً تو ہالینڈ کا کچھ زور نہ چلا۔

اور پرتگال سولھویں صدی میں ہندوستان کی تجارت کا تنہا مالک بنا رہا۔ لیکن ہالینڈ کی بہت سی تجارتی کمپنیاں جو مشرقی تجارت کے لیے کوشش کر رہی تھیں۔ ۱۶۰۲ء میں سب نے مل کر ایک بڑی کمپنی قائم کی، اور حکومت نے اس کی حمایت اور سرپرستی قبول کی اور ہالینڈ کی اس متحدہ کمپنی نے پرتگال کے مشرقی مقبوضات پر چھاپہ مارنا شروع کیا۔ ہندوستان کے مغربی ساحل پر جو پرتگالی مقامات تھے۔ ان میں سے اکثر یکے بعد دیگرے ان کے قبضہ میں آ گئے۔ غرضکہ سترہویں صدی میں ہالینڈ کو ہندوستان کے ساحل اور اس کے گرد و نواح میں خوب کامیابی ہوئی، معلوم ہوتا ہے کہ اس کو شروع سے ملکی فتوحات اور حکومت کا زیادہ خیال تھا۔ چنانچہ فوراً جا بجا اس نے قلعے تعمیر کر ڈالے۔ مثلاً مغربی ساحل پر۔ سورت اور کوچین مشرقی پر۔ نیگاپٹم اور مسولی پٹم میں، مغربی ساحل کے علاوہ مشرقی ساحل میں بھی پولیکٹ، اور ٹوٹی کورن جنوب میں، اور چنسورہ شمال میں کلکتہ کے قریب اس کی تجارت کے صدر مقام تھے۔ غرض ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ہندوستانی تجارت کی کنجی پھر پرتگال کے ہاتھ سے نکل کر ہالینڈ کے ہاتھ میں آ گئی۔ لیکن یہ بھی ایک عارضی صورت

تھی، جیساکہ آگے چلکر معلوم ہوگا۔ وہ تو ہندوستان کی صرف تجارت،
ہی نہیں بلکہ حکومت بھی قدرت نے انگلستان کی قسمت میں لکھدی تھی،
ہوا یہ کہ ابتداءً تو ہالینڈ اور انگلستان متحد تھے۔ لیکن جب ہالینڈ کا ہندوستان
میں قدم جما تو اس نے بھی صرف اپنا ہی تسلط رکھنا چاہا اور تجارت وغیرہ میں
انگلستان کی شرکت کو گوارا نہ کیا، بلکہ مزاحمت کی، اس پر دونوں کی دوستی
نے دشمنی کا رنگ اختیار کرلیا۔ بالآخر دونوں میں چل گئی اور خوب چلی،
گرچہ بظاہر انگلستان کے وسائل و ذرائع کمزور تھے لیکن قسمت زبردست تھی
ہالینڈ کے ہاتھ سے تمام ہندوستانی مقبوضات نکل گئے اور اس طرح
ہالینڈ کی تجارت ہندوستان میں ختم ہوگئی۔

ڈنمارک کی آمد ہندوستان میں

اس ضمن میں ڈنمارک نے بھی ہندوستان میں تجارت کا منصوبہ باندھا
چنانچہ سنہ ۱۶۲۰ء میں مدراس کے علاقہ میں تنجور کے قریب ڈین لوگوں نے
اپنا کارخانہ کھولا اور ایک دارالضرب بھی قائم کیا۔ کلکتہ کے قریب بھی
انھوں نے کچھ کاروبار شروع کیا، لیکن ترقی نہیں کی کچھ یوں ہی لین دین تھا

کرتے رہے۔ آخر ۱۸۴۵ء میں اپنی تھوڑی بہت جائداد انگریزی حکومت کے ہاتھ بیچ کر چلے گئے۔

فرانس کی آمد ہندوستان میں

گرچہ فرانس کے تعلقات ہندوستان سے سب سے اخیر میں قائم ہوئے اور انگلستان کے تعلقات بہت پہلے قائم ہو چکے تھے، لیکن اس جگہ فرانس اور ہندوستان کے تعلقات کا ذکر پہلے اس لئے کیا جا رہا ہے کہ اس مسئلہ کو ختم کرکے انگلستان اور ہندوستان کے تعلقات مسلسل بیان کئے جا سکیں، کیونکہ اصل مقصد تو وہی ہے۔

اول تو فرانس نے ہندوستانی تجارت کی طرف خود ہی توجہ کم کی۔ دوسرے فرانسیسی حکومت نے اپنے تاجروں کے ساتھ بے اعتنائی برتی چنانچہ سترہویں صدی کے وسط تک فرانس کو ہندوستان میں برائے نام بھی کامیابی حاصل نہ ہوئی۔ لیکن ۱۶۶۴ء میں ایک زبردست تجارتی کمپنی قائم ہوئی اور حکومت نے بھی امداد کا وعدہ کیا۔ اور ۱۶۷۴ء میں ہندوستان کے مشرقی ساحل پر مدراس کے قریب فرانسیسی

آبادی شروع ہوگی، یہی مقام پانڈیچری کے نام سے مشہور ہے اور اب تک فرانسیسی علاقہ شمار ہوتا ہے، اس کے بعد ہالینڈ کی طرح بلکہ اُس سے بھی زیادہ فرانسیسی تاجروں کو ہندوستان کی حکومت کا شوق ہوا۔ اور انہوں نے ہندوستان کے حکمرانوں سے سیاسی تعلقات پیدا کرنا شروع کر دیئے اور تھوڑے عرصہ کے بعد ملکی لڑائیوں میں کسی نہ کسی فریق کی طرف سے باقاعدہ شریک ہونے لگے۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ ہندوستان کے حکمرانوں میں بہت نفاق پھیلا ہوا تھا، سلطنت مغلیہ کا زوال شروع ہو چکا تھا۔ موقع غنیمت سمجھ کر فرانسیسیوں نے بڑی کوشش کی کہ یہاں فرانسیسی حکومت قائم ہو جائے اور شروع میں کچھ اس کا واقعی قرینہ بھی نظر آنے لگا۔ لیکن ایک تو انگریزوں نے اپنی حفاظت اور بڑی حد تک رشک کی بنا پر فرانسیسیوں کی مزاحمت شروع کر دی، دوسرے حکومت فرانس نے اپنے لوگوں کا ہندوستان میں ساتھ نہیں دیا۔ اس لئے ہندوستان میں فرانسیسیوں کی قسمت بن کر بگڑ گئی، اور ان کی ساری کوششیں بیکار گئیں اور ہندوستان کے ساحل پر دو چار مقامات مثلاً پانڈیچری، چندر نگر، ماہی، کاریکل اور یانم ان کے

مقبوضات بطور یادگار اُب بھی باقی ہیں۔

اب تک تو عہد قدیم اور قرون وسطیٰ میں ہندوستان اور یورپ کے تعلقات' اور اُس دور کے تجارتی راستے بتلائے گئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ وہ راہیں کس طرح بند ہوئیں اور پھر کس طرح نئے بحری راستے تلاش کیے گئے۔ پرتگال، ہالینڈ، ڈنمارک اور فرانس سے تجارتی کمپنیاں کیونکر ہندوستان پہنچیں اور ہندوستان میں اُن کی تجارت اور کاروبار کا کیا حشر ہوا۔ یہ سب حالات انتہائی اختصار کے ساتھ محض تسلسل کو باقی رکھنے کی خاطر بیان کیے گئے، جن کی تفصیلات سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اب صرف اُن تعلقات کو بتلایا جائیگا۔ جو گذشتہ تین صدی سے انگلستان اور ہندوستان کے درمیان قائم ہیں' اور اپنی نوعیت اور نتائج کے لحاظ سے اہم ترین ہیں۔ اور اپنی ندرت کی حیثیت سے تاریخ عالم میں اپنی نظیر آپ ہیں۔ انگریز تاجروں کی ایک چھوٹی سی کمپنی ہندوستان میں تجارت کی غرض سے آتی ہے اور اپنی حریف دوسری یوروپین کمپنیوں کے مقابلہ میں ابتداءً بہت کمزور نظر آتی ہے۔ لیکن انجام کار انگریزی کمپنی کو سب پر غلبہ حاصل ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ وہ ہندوستان کی

تجارت ہی کی نہیں بلکہ تخت و تاج کی مالک بن جاتی ہے' اور تمام یورپ بلکہ خود انگلستان حیرت کرتا ہے۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگذشت

ایسٹ انڈیا کمپنی کی سرگذشت کے دو پہلو ہیں۔ ایک کا تعلق تاریخ انگلستان سے ہے' اور دوسرا ہندوستان کی تاریخ سے وابستہ ہے' پہلا حصہ بڑی حد تک ہمارے موضوع سے خارج ہے۔ ہمیں تو ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستانی پہلو سے بحث کرنی ہے۔ اور اسی کو ذرا تفصیل کے ساتھ بتلانا ہے۔ لیکن مجبوراً پہلے حصہ کا بھی محض سرسری خاکہ انتہائی اختصار کے ساتھ پیش کرنا ہے' تاکہ دوسرا حصہ نہ صرف روشن ہو سکے بلکہ سمجھ میں آسکے۔

سولہویں صدی کے آخری نصف حصہ میں شہنشاہ اکبر نے ہندوستان میں حکومت کی اور اسی زمانہ میں انگلستان کی حکمران ملکہ الزبتھ تھیں انہیں کے عہد میں انگریز تاجروں نے ہندوستان کے ساتھ تجارتی تعلقات پیدا کرنے کی باقاعدہ کوشش شروع کی۔ سترہویں صدی کے اوائل سے جبکہ ہالینڈ کو ہندوستان پر غلبہ ہونا شروع ہوا' انگلستان کو ہندوستان

کی فکر زیادہ دامنگیر ہوئی۔ اس زمانہ میں ہندوستان کی تجارت کے
لئے یوروپین ممالک کے تاجروں میں سخت جنگ وجدال جاری تھی۔
تاجروں کے چھوٹے چھوٹے بیڑوں میں خوب بحری جنگ ہوتی تھی، ایک
دوسرے کا مال لوٹ لیتے تھے، اور بسا اوقات کشت وخون کی
نوبت آجاتی تھی، اسی لئے تاجر ملکر کمپنی بناتے تھے اور حکومت سے
باضابطہ فرمان حاصل کرتے تھے تاکہ ایسے موقعوں پر مدد مل سکے، انگریزی
تاجروں نے ملکہ الزبتھ کے پاس درخواستیں دیں، لیکن کوئی التفات
نہ ہوا، بالآخر لندن کے ایک سو ایک تاجروں نے ملکر ہندوستانی
تجارت کے واسطے تیس ہزار پونڈ (۴۵۰۰۰۰ روپیہ) مشترک
سرمایہ فراہم کیا، اور ملکہ کے یہاں محضر پیش کیا۔ اِدھر اُدھر کوششیں
کیں، نتیجہ یہ ہوا کہ سولہویں صدی کے آخری دن یعنی ۳۱ ر دسمبر ۱۶۰۰ء
کو ملکہ الزبتھ نے اُن کو شاہی منشور عطا کیا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی
کو پندرہ سال کے واسطے ہندوستانی تجارت کا اجارہ مل گیا۔ اس
شاہی منشور کا مقصد، اپنی قوم کا عروج، ملک کی فلاح وبلندی،
جہازوں کی ترقی، اور ذرائع آمد ورفت کی توسیع قرار دیا گیا۔ اُسوقت

تو یہ مقاصد مُبالغہ آمیز معلوم ہوتے تھے۔ لیکن بعد کو ان کا ایک ایک حرف پُورا ہوا۔

جیمس اول (جس نے انگلستان پر سترہویں صدی کے ربع اول کے آخر تک حکومت کی) نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے معاملات میں کافی دلچسپی لی۔ اور ۱۶۰۹ء میں ایک نیا فرمان عطا کیا۔ اور کمپنی کو مشرقی تجارت کا دوامی اجارہ دار بنا دیا کہ اس کے سوا مشرقی تجارت کا کبھی کوئی قصد نہ کرے۔

کمپنی کا کاروبار شروع ہوتے ہی اس کو بڑی بڑی دقتوں کا سامنا کرنا پڑا اور سخت سخت مرحلے پیش آئے۔ اوّل تو خود اپنے ملک میں کمپنی کی مخالفت شروع ہو گئی، کہ کمپنی کو اجارہ کا کوئی حق نہیں ہے ہر تاجر کو اجازت ہونی چاہیئے کہ ہندوستان میں اپنی قسمت آزمائی کرے، کمپنی تجارت کے واسطے بہت سے جہاز بنا رہی ہے، اس سے جنگل ویران ہو جائیں گے۔ اور شاہی بیڑوں کے واسطے عمدہ لکڑی نہیں ملے گی، غریب لوگ جو کمپنی کی ملازمت میں جہازوں پر سفر کرتے ہیں، ان کو سخت تکلیفیں برداشت

کرنا پڑتی ہیں، اور بہت سے لوگ تلف ہو جاتے ہیں، اور سب سے
بڑی بات یہ ہے کہ کمپنی دوسرے ملک سے فضول اور عیش پرستی کی
چیزیں لاتی ہے۔ جس سے باشندگان ملک کی عادت خراب ہوتی
ہے، اور اس کے عوض چاندی اور سونا باہر بھیجتی ہے، اس سے
بڑھ کر ملک کی دشمنی اور کیا ہو سکتی ہے؟ غرض وہی تمام اعتراضات
جو عرصہ دراز سے ہندوستان میں، یورپ کی تجارت پر کئے جاتے ہے
ہیں، وہی پہلے یورپ میں ہندوستان کی تجارت کے متعلق ہوا کرتے
تھے، جب شکایت بڑھی تو انگلینڈ کے ذمہ دار لوگوں نے بھی
اس کی طرف توجہ کی، یہانتک کہ یہ معاملہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا،
خوب بحثیں ہوئیں۔ کمپنی نے قابل لوگوں کو اپنا وکیل بنا کر خوب خوب
جواب دلوائے۔ اسی کے بعد سے کمپنی کے معاملات میں انگلستان کی
حکومت کا دخل بڑھتا گیا۔ جیمس کے زمانہ میں جب کمپنی کی مخالفت بہت
بڑھ گئی تو کمپنی کے لوگ شکستہ خاطر ہو گئے۔ لیکن جیمس نے کمپنی کا
ساتھ دیا۔ اور محض اس کی تائید اور تقویت کی خاطر ۱۶۱۹ء میں
جیمس نے ایک فرمان نکالا کہ کمپنی کے تمام حقوق پہلے منشور کے

مطابق محفوظ رہیں گے۔

سترہویں صدی کے رُبع اوّل ہی میں ہالینڈ اور انگلستان کی کمپنیوں میں خوب جنگ چلی' ابتداءً تو ایسٹ انڈیا کمپنی ہالینڈ کی زیادتیوں کو برداشت کرتی رہی۔ لیکن کب تک؟ کمپنی نے جیمس کے دربار میں شکایت کی۔ جیمس نے ہالینڈ کے وکلا کو بلا کر کئی مرتبہ آپس میں تصفیہ کرا دیا۔ لیکن کوئی مفید نتیجہ بر آمد نہ ہو سکا۔ اور حکومت ہالینڈ اور وہاں کی تجارتی کمپنی دونوں ملکر ایسٹ انڈیا کمپنی پر زیادتیاں کرتی رہیں۔ آخر جیمس کو باضابطہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی امداد کرنی پڑی' اور اس طرح کمپنیوں کی تجارت کا حکومت کے تعلقات خارجہ پر گہرا اثر پڑنے لگا۔

اس زمانہ میں شہنشاہ جہانگیر ہندوستان میں حکومت کر رہے تھے۔ جیمس اوّل نے مشہور سیّاح سر ٹامس رو' کو اپنا سفیر بنا کر جہانگیر کے دربار میں بھیجا۔ اور باہم معاہدہ کرنے کی تحریک کی' کوئی معاہدہ تو نہ ہوا' تاہم اس سلسلہ میں تین سال تک سر ٹامس رو کا ہندوستان میں قیام رہا۔ دوران قیام میں سر موصوف کو کمپنی کے معاملات کو سلجھانے اور آگے بڑھانے میں خاصی کامیابی ہوئی۔ سب سے

پہلے ۱۶۱۲ء میں بمقام سورت ایک انگریزی تجارت گاہ قائم ہوئی اور فرمان شاہی سے اس کی منظوری بھی ہو گئی، اور اس کے گرد مضبوط چہار دیواری (قلعہ) بنانے کی بھی اجازت مل گئی۔ اس کے علاوہ جہانگیر نے اپنی سلطنت میں عام تجارت کرنے کی بھی اجازت مرحمت فرمائی، اور انہیں اجازت دی گئی کہ عمال سلطنت کی ہر شکایت براہ راست شہنشاہ کے دربار میں کر سکتے ہیں۔ اسی زمانہ میں سورت کے علاوہ آگرہ، اجمیر، احمد آباد اور بہرائچ میں انگریزی کوٹھیاں قائم ہو گئیں اور تجارت کی بنیاد مستحکم ہو گئی۔

جیمس کے بعد انگلستان میں چارلس اول بادشاہ ہوا۔ اُس وقت کمپنی کی قسمت بگڑ گئی، بادشاہ وقت کی سرد مہری بلکہ در پردہ مخالفت سے کمپنی از سر نو بہت دشواریوں میں مبتلا ہو گئی۔ چارلس اول نے تخت نشیں ہوتے ہی ہالینڈ سے مصالحت کرلی، بلکہ در پردہ ہالینڈ سے معقول رشوت لے لی، اب کیا تھا، ہالینڈ کی کمپنی نے علانیہ ایسٹ انڈیا کمپنی کو ستانا شروع کر دیا چارلس نے ایسٹ انڈیا کمپنی سے دس ہزار پونڈ قرض حسنہ کے نام سے نذرانہ طلب کیا۔ کمپنی اپنی پریشانی

کے باعث اس فرمایش کی تعمیل نہ کر سکی۔ چارلس کو بہت ناگوار ہوا۔ اور جیمس نے کمپنی کو مشرقی تجارت کے دوامی اجارہ کا جو منشور عطا کیا تھا، چارلس نے اس کو عملاً منسوخ کر دیا۔ اور وہ اس طرح کہ اس کے چند مصاحبوں نے ایک تجارتی کمپنی قائم کی۔ خود چارلس اس کا سرپرست تھا، اور دس ہزار پونڈ اس کا بھی حصہ کمپنی میں شامل ہوا۔ اور ایسٹ انڈیا کمپنی پر چند الزام قائم کر کے۔ اس نئی کمپنی کو بھی تجارت کی اجازت دیدی۔ اس طرح ہندوستان میں دو انگریزی کمپنیاں حریف بن کر تجارت کرنے لگیں۔ ایک تو نئی کمپنی کا مقابلہ اور پھر سب سے بڑی بات یہ کہ چارلس نے ہندوستانی مال پر دو چند اور سہ چند محصول لگا دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کا کاروبار بہت خراب ہوگیا۔ آپس کی رقابت اور ہالینڈ کی مخالفت سے کمپنی کے قدم اکھڑنے لگے، چنانچہ مایوس ہو کر کمپنی اپنے خاتمہ کا فیصلہ کرنے پر مجبور ہوگئی، اس وقت چارلس کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ اور اس نے اپنا مسلک بدل دیا، تاہم نئی کمپنی بدستور قائم رہی، ایسٹ انڈیا کمپنی نے محض دفع شر کے خیال سے نئی کمپنی کو اپنے میں ضم کر لیا۔ مگر نئی کمپنی

کے لوگوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی میں پہنچکر اپنی ایک جماعت بنالی، اور اس طرح ایسٹ انڈیا کمپنی کے اندر اختلاف اور فرقہ بندی شروع ہوگئی،

چارلس کے بعد انگلستان میں کرام اوّل کی زیرِ نگرانی جمہوریّہ قائم ہوا اور ہندوستانی تجارت کے متعلق انگلینڈ میں پھر وہی بحث پیدا ہوگئی۔ ایسٹ انڈیا کمپنی کے مخالفین نے زور لگایا، کمپنی کی اجارہ داری پر اعتراضات شروع ہوگئے، اور کرام اول نے نئے نئے تاجروں کو ہندوستانی تجارت کی اجازت دیدی۔ اس طرح آپس میں مقابلہ بڑھا۔ اور انگریزی تجارت کا رنگ ہندوستان میں بگڑ گیا۔ ایسٹ انڈیا کمپنی نے کرام اول کے پاس بارہا درخواستیں کیں، مگر کوئی شنوائی نہ ہوئی۔ کمپنی عاجز آگئی، اور ۱۶۵۷ء کے اوائل میں کمپنی کے حصّہ داروں کا ایک جلسہ ہوا، اور طے پایا کہ کمپنی کا کاروبار جلد از جلد فروخت کردیا جائے۔ چنانچہ نیلام کا اعلان بھی ہوگیا۔ جب نوبت یہاں تک پہنچی، تو کرام اول کی آنکھیں کھلیں، اور اس نے اپنا مسلک بدل دیا، بھلا یہ کس کو گوارا ہوسکتا تھا۔ کہ پچاس سال کی متواتر کوششوں سے ہندوستان میں جو تجارت اور تعلقات پیدا ہوئے ہیں ان کو ختم کردیا جائے

اور اسی سال حسب دستور کمپنی کو کرام کی جانب سے ایک منشور، تمام سابقہ حقوق کو محفوظ رکھتے ہوئے، مزید حقوق کے ساتھ عطا ہوا۔ کمپنی کو بلا شرکت غیرے ہندوستانی تجارت کا اجارہ مل گیا، اور جس کے بعد پچیس تیس سال سے جو دقتیں پیش آرہی تھیں، اُن کا خاتمہ ہو گیا۔ کرام نے پرتگال اور ہالینڈ دونوں کی سرکوبی بھی پوری مستعدی کے ساتھ شروع کر دی، اور اب کمپنی کے کاروبار کی گرم بازاری شروع ہو گئی۔

چارلس اول کے عہد میں ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان میں متعدد تجارت گاہیں قائم کیں۔ ۱۶۲۸ء میں نیلور اور کرشنا کے ضلعوں میں، ۱۶۳۳ء میں بالاسور میں، اور ۱۶۴۴ء میں ٹراونکور کے علاقہ میں تجارت گاہ قائم ہوئی، ۱۶۳۹ء میں کمپنی نے ہندو راجہ سے وہ علاقہ جو تقریباً چار ہزار مربع میل تھا۔ خریدا جہاں بعد کو مدراس آباد ہوا۔ ۱۶۵۱ء میں ہگلی میں انگریزی آبادی شروع ہوئی۔ اور پھر اس کے قریب ہی کلکتہ آباد ہوا۔ ہگلی کی آبادی کا موقع یوں ملا، کہ اس زمانہ میں بنگال کا جو مسلمان صوبہ دار تھا، اس کے خاندان کو ایک انگریز ڈاکٹر کا علاج بہت موافق آیا۔ اس کی خدمت کے صلہ میں کمپنی کو ہگلی بسانے کی

اجازت مل گئی۔

اس کے بعد چارلس دوم تخت نشیں ہوئے، اس کے دور میں کمپنی کو منہ مانگی مرادیں حاصل ہوئیں، اور کمپنی کے اقبال کا ستارہ خوب چمکا۔

چارلس دوم نے ایک پرتگالی شہزادی سے شادی کی تو اسکو جہیز میں ہندوستان کے مغربی ساحل سے قریب ایک جزیرہ بھی ملا۔ چارلس نے یہ جزیرہ دس پونڈ سالانہ لگان پر کمپنی کے حوالہ کر دیا۔ اور بعد کو اس پر بمبئی جیسا شہر آباد ہوا۔

چارلس دوم کے بعد جیمس دوم تخت نشیں ہوا۔ اس نے بھی کمپنی کی پوری طرح حمایت کی، اس کے بعد ولیم سوم اس کا جانشیں ہوا، اور پھر ملکہ این نے حکومت سنبھالی۔ جیمس دوم کے بعد ہی الیسٹ انڈیا کمپنی کے سر پر مخالفت کا پہاڑ ٹوٹ پڑا۔ جیسا کہ پہلے بھی بتلایا جا چکا ہے، کمپنی پر اعتراض کرنے والے تو پہلے سے موجود تھے ہی، جو ہندوستان کے مال کی درآمد کو انگلستان کے لئے سخت مہلک سمجھتے تھے اور چونکہ ہندوستان کے مال کی کھپت انگلستان میں بڑھتی جاتی تھی۔ اور وہاں کے باشندوں کو خوف تھا کہ انگلستان

کی صنعت بالکل تباہ ہو جائیگی۔ اس لئے یہ لوگ چاہتے تھے کہ کمپنی کو زک دیجائے۔ ولیم سوم کا دور شروع ہوتے ہی، ہزارہا عرضیاں اور محضر کمپنی کے خلاف شاہی دربار میں دیئے گئے۔ معاملہ پارلیمنٹ میں پیش ہوا، اور تمام شکایتوں کی تحقیقات ایک کمیٹی کے سپرد کی گئی اسی زمانہ میں کمپنی کے عمال نے ہندوستانیوں پر بہت زیادتیاں شروع کردیں۔ جن کی وجہ سے ہندوستانی حکام نے ان کی سرزنش اور گوشمالی کی۔ جس کی تھوڑی سی تفصیل یہ ہے کہ:۔

جس زمانہ میں چارلس دوم۔ جیمس دوم، ولیم سوم اور ملکہ این نے انگلستان میں حکومت کی، اس پورے زمانہ میں ہندوستان کے اندر شہنشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ سریر آرائے سلطنت رہے، عالمگیرؒ کے زمانہ میں کمپنی کے ڈائرکٹروں نے کمپنی کو ایک ہدایت نامہ بھیجا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سلطنت مغلیہ کے تاجروں اور دولتمند لوگوں سے خوب روپیہ قرض لو، اور جب یہ رقم بہت زیادہ ہو جائے تو لین دین بند کردو، اور کوئی ایسا جھگڑا چھیڑ دو جس سے قرضہ کا مسئلہ تو پیچھے پڑ جائے، اور وہ نزاع سامنے آجائے، اس طرح قرضہ بھی ہضم

ہو جائیگا، اور سلطنت مغلیہ سے لڑائی کا موقع بھی ہاتھ آجائیگا۔"
چنانچہ کمپنی کے عمال نے ایسا ہی کیا، ایسٹ انڈیا کمپنی کے لوگوں
نے شاہی فوج کے غلہ اور رسد سے بھرے ہوئے جہاز بمبئی کے قریب
سمندر میں پکڑ لئے۔ اور بنگال میں کمپنی کے لوگوں نے کچھ شاہی جہاز
پکڑ کر ان میں آگ لگا دی۔

'مغلیہ گورنر سورت' کے پاس جب غلہ اور رسد والے جہاز کے پکڑ
لینے کی شکایت پہنچی، تو شیدی یعقوب سپہ سالار افواج شاہی نے
ایسٹ انڈیا کمپنی کے گورنر کو پہلے تو بہت نرمی سے ایک خط لکھا۔
جس میں کمپنی کے طرز عمل پر اعتراض کیا۔ لیکن کمپنی نے اس خط کا
جواب بہت ہی تمرد اور سرکشی سے دیا۔ تو مغلیہ صوبہ دار نے کمپنی کو یہ
اطلاع دی کہ۔ اگر گرفتار شدہ شاہی جہاز ۱۱ر فروری تک نہ چھوڑے
گئے، تو ۱۴ر فروری کو فلاں وقت شاہی فوج بمبئی میں داخل ہو کر،
ہر چیز پر قبضہ کرلیگی۔ مگر کمپنی کے گورنر پر تو کمپنی کے ڈائرکٹروں کا
نشہ سوار تھا۔ اور کمپنی والے بھی مسلح رہا کرتے تھے اور ان کے
پاس بھی فوج اور اُس کے سارے لوازمات تھے۔ لیکن اُس وقت

سلطنت مغلیہ اتنی کمزور نہ ہوئی تھی جس قدر کمپنی نے سمجھ رکھا تھا۔ ملتانی حکومت عالمگیرؒ کے ہاتھ میں تھی، بہرحال شیدی یعقوب اُسی اطلاع کے مُطابق فوج لیکر پہنچا۔ دونوں فوجیں مقابل ہوئیں، اور مغلیہ فوج نے انگریزوں پر یلغار کی، تو کمپنی کا کپتان بھاگ نکلا، اور بھاگنے والوں میں سب سے آگے تھا۔ پرتگیزوں کے گرجے میں پہنچکر جب ذرا اس کے حواس درست ہوئے، تو اس نے مڑ کر اپنے آدمیوں کو دیکھا کہ اُن کا کیا حشر ہوا۔

اس معمولی سی گوشمالی کے بعد انگریزوں نے حسب عادت خوشامد کا راستہ اختیار کیا۔ اور ایک وفد جس میں کپتان الکزنڈر ہملٹن بھی، شریک تھے، شہنشاہ اورنگ زیب عالمگیرؒ کی خدمت میں بھیجا، یہ وفد شاہجہاں آباد میں عالمگیرؒ کے حضور میں پیش کیا گیا، عالمگیرؒ نے دریافت کیا کہ تمہاری کیا درخواست ہے؟ پہلے وفد نے معافی چاہی، اور پھر دوبارہ تجارت کرنے کی اجازت مانگی۔ دربار سے معافی بھی ہوگئی اور اجازت بھی ملگئی، اور ایک فرمان شاہی بھی حسب دستور اپنے لوازمات یعنی انعام واکرام کے ساتھ عنایت ہوا، وہ فرمان حسب ذیل ہے،

جس کی سند پر ایسٹ انڈیا کمپنی نے پھر ہندوستان میں تجارت شروع کی۔

فرمان شہنشاہ اورنگزیب عالمگیرؒ بنام ایسٹ انڈیا کمپنی

"تمہاری عرضداشت اِس مضمون کی مابدولت واقبال کے ملاحظہ میں آئی کہ جس قدر فتنہ وفساد برپا ہوا اُس کے ذمہ دار تم ہو اور اسمیں سراسر تمہارا ہی قصور ہے۔ تم نے صوبہ داروں کے خلاف متعدد شکایتیں کی تھیں۔ جن کا ذکر مابدولت نے اپنے اُمرا دربار سے سُنا، تم کو یہ شکایت تھی کہ صوبہ داروں یا ماتحت عُہدہ داروں نے تمہارے ساتھ بدسلوکی کی۔ تم کو لازم تھا کہ شورش برپا کرنے سے پہلے تمام واقعات کی اطلاع مجھکو دیتے، لیکن اب چونکہ تم اپنی خطا کے معترف ہو، اور معافی کے خواستگار ہو، اس لئے گذشتہ واقعات کو معاف کرکے، صرف تمہاری درخواست ہی منظور نہیں کی جاتی، بلکہ تمہاری استدعا، کے بموجب تم کو ایک فرمان بھی عطا کیا جاتا ہے، اور اسد خاں کو حکم دیا جاتا ہے کہ وہ تفصیلات لکھنے کے بعد جن کی اطلاع وہ تم کو دیگا۔ فرمان مذکور صوبہ دار سورت کے پاس روانہ کردے، جس وقت یہ فرمان نافذ ہو تم

اس کو تعظیم و احترام کے ساتھ وصول کرو اور اسکی عزت کا اقبال و اعتراف کرو۔ جیسے تم پہلے تجارت کیا کرتے تھے، اب اسی طرح تم کو تجارت کرنے کی اجازت دیجاتی ہے۔ جن تاجروں کی تم شکایت کر رہے ہو، تم پر واجب ہے کہ ان کے جہازات مع سامان ان کے حوالہ کرو۔ آیندہ سے اس قسم کی غلطی کبھی نہ کرنا جس کے تم اس مرتبہ مرتکب ہوئے ہو، ہمیشہ مابدولت کی خوشنودی اور رضاجوئی کے اُمیدوار رہو۔ اور اس کو کبھی نظر انداز نہ کرو۔ اگر تم کو میرے صُوبہ داروں یا عُہدہ داروں یا رعایا سے کسی قسم کی تکلیف پہنچے، تو اس کی اطلاع دینے میں کبھی فروگذاشت نہ کرو۔ مابدولت نے اسد خان کو حکم دیدیا ہے کہ وہ اسی کے مطابق تحریر کرے۔ مسمیٰ باوجر کی پناہ دہی کے متعلق تم نے شکایت کی ہے کہ سابقہ صوبہ داروں نے اس کو اپنی پناہ میں لے لیا ہے، اور اس پر تمہاری رقمیں واجب الادا ہیں، اور اس لئے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے سپرد کر دیا جائے۔ اس کے بارے میں حکم دیا جاتا ہے کہ تم اپنا دعویٰ عدالت میں مطابق قانون ثابت کرو، اُس وقت جو انصاف کا تقاضا ہوگا، عمل میں آئیگا۔"

"اورنگزیب"

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ کمپنی کی زیادتیوں کا ہندوستان میں کیا عالم تھا، یہ تو ایک واقعہ ہے، ورنہ عام ہندوستانی باشندوں کے ساتھ کمپنی کا جو رویہ تھا۔ اس کی تفصیلات تو عبرت انگیز ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انگلستان سے چن چن کر کمپنی کے لئے ایسے عمال اور ملازم بھیجے جاتے جو تکبر، بدخلقی اور بدکرداری میں بے نظیر ہوں، اور مذکورہ بالا فرمان شاہی سے اس کا اندازہ بھی ہو گیا ہوگا کہ ہزارہا زیادتیوں کے باوجود شاہان مغلیہ کا طرز عمل کمپنی کے ساتھ کس درجہ منصفانہ اور مشفقانہ تھا۔ خصوصاً شہنشاہ عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کا جنکو انگریزوں نے ظالم اور جابر مشہور کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے، اس کا بدلہ کمپنی نے کیا دیا؟ یہ بھی اگلے ابواب سے واضح ہو جائیگا۔

بہر حال یہ پہلے بتلایا جاچکا ہے کہ ولیم سوم کے زمانہ میں کمپنی کی شکایتوں کی تحقیقات کے لیے کمیٹی مقرر ہوئی تھی اور انگلستان میں کمپنی کی مخالفت زوروں پر تھی، ساتھ ہی ساتھ ہندوستان میں کمپنی کا جو نامناسب رویہ رہا اور خود اس پر جو گذری، اسکی خبر بھی انگلستان پہنچ گئی تھی اس بناپر عام خیال یہ تھا کہ کمپنی تحقیقات کی متحمل نہ ہوسکے گی۔

اور شکایات کی بنا پر اس کا خاتمہ کر دیا جائیگا۔ لیکن کمپنی نے خوب دل کھول کر خرچ کیا، لائق لوگوں نے اس کی طرف سے وکالت کی تو کمپنی کی جان بچی۔ لیکن اس کا اجارہ ٹوٹ گیا، اور ۱۶۹۸ء میں ایک نئی حریف کمپنی بڑے اہتمام سے قائم ہوئی اور ہندوستان پہنچکر اس نے کمپنی کا مقابلہ شروع کیا۔ تھوڑے ہی دنوں بعد تجربہ سے دونوں کمپنیوں کو یقین ہو گیا کہ مقابلہ کا نتیجہ زیرباری اور تباہی کے علاوہ کچھ نہیں ہے، اور عام اجازت کے ساتھ ہندوستان کی تجارت کا چلنا محال ہے، اس لئے بہت جلد یعنی ۱۷۰۲ء میں دونوں کمپنیاں متحد ہو گئیں، اور "متحدہ ایسٹ انڈیا کمپنی" کے نام سے دوبارہ کاروبار شروع ہو گیا۔ اس متحدہ کمپنی میں لندن کے علاوہ انگلستان کے دوسرے مقامات کے سربرآوردہ لوگ بھی شریک تھے، اس لئے بڑی حد تک مخالفت بھی رفع ہو گئی، اجارہ داری کا اصول بھی محفوظ رہا اور متحدہ کمپنی کے قیام کی منظوری ایک قانون کی شکل میں پارلیمنٹ سے حاصل ہوئی اور آئندہ کے واسطے کمپنی کا تعلق بادشاہ کے بجائے پارلیمنٹ سے قائم ہو گیا۔ یہی متحدہ کمپنی آخر تک برسرکار رہی جتنی کہ

ہندوستان سلطنت برطانیہ میں منسلک ہو گیا، تجارت عام ہو گئی، اور کمپنی کی یادگار باقی رہ گئی۔ جس کی تفصیلات سے کتابیں بھری ہوئی ہیں۔

شہنشاہ اورنگزیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کے بعد ہی سلطنت مغلیہ میں کمزوری پیدا ہونے لگی۔ کمپنی نے ہندوستان کی سیاست میں کھلکر حصّہ لینا شروع کیا۔ قسمت نے یاوری کی نتیجہ یہ نکلا کہ کمپنی اچھی خاصی حکمراں جماعت بن گئی۔ ۱۷۶۵ء سے ۱۸۵۸ء تک کمپنی کی تاریخ جنگ، ملک گیری اور حکومت کی مصروفیتوں سے بھری ہوئی ہے، کمپنی کی توجہ سیاست کی طرف بڑھتی گئی، اور تجارت سے ہٹتی گئی۔

۱۸۱۳ء میں بیس سال کے واسطے کمپنی کے منشور کی پارلیمنٹ میں تجدید ہوئی۔ لیکن اس منشور نے کمپنی کے حق اجارہ کا خاتمہ کر دیا۔ صرف چائے کی تجارت کا اجارہ باقی رہا۔ ۱۸۳۳ء میں پھر بیس سال کے لئے منشور کی تجدید ہوئی جس میں چائے کے اجارہ کو بھی توڑ دیا گیا۔ انگریزی تاجروں کے واسطے ہندوستان

کی تجارت عام ہوگئی۔ کمپنی کی تجارت کا خاتمہ ہوگیا، اور اُس نے اپنا کل کاروباری اثاثہ فروخت کردیا۔ اور محض حکمران جماعت کی حیثیت سے ہندوستان میں سیاست اور ملک گیری میں مصروف رہنے لگی۔ ۱۸۵۷ء میں جو ہندوستان کے اندر مشہور انقلاب ہوا، اس کے بعد انگلستان کی پارلیمنٹ نے باضابطہ کمپنی کے ہاتھ سے ہندوستان کی حکومت لے لی، اور براہ راست برطانوی حکومت شروع ہوگئی، اور نومبر ۱۸۵۸ء میں ملکہ وکٹوریہ کی جانب سے وہ مشہور غلامی کا فرمان نکلا۔ جس میں سب کچھ لوٹ کر ہندوستان کو امن اور آزادی کا اطمینان دلایا گیا۔

خلاصہ یہ کہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ۱۶۰۰ء سے ۱۸۵۸ء تک تقریباً ڈھائی سو برس عمر پائی، بہت تھوڑے سرمایہ سے اُس نے ہندوستان میں تجارت شروع کی، ہزاروں دقتیں اور مشکلیں برداشت کیں اور اپنی قوم کے واسطے ایک زرخیز تجارت اور اپنی حکومت کے لئے ایک وسیع ملک پیدا کرکے ختم ہوگئی۔

کمپنی کی تجارت ہندوستان میں

گذشتہ ابواب میں کچھ تفصیل کے ساتھ بتلایا جا چکا ہے کہ انگریزوں کے اقتدار سے پہلے ہندوستان کی صنعتیں بے نظیر شمار کی جاتی تھیں خصوصاً مسلمانوں کے زمانۂ حکومت میں تو ہندوستانی صنعتوں نے اس قدر ترقی کی اور ان کی برآمد اس قدر بڑھی کہ دوسرے ملکوں پر ہندوستان کا مال چھایا ہوا نظر آنے لگا۔ اس زمانہ میں ہندوستان کے سوتی، اونی اور ریشمی کپڑے اور قالین، موتی، جواہر اور زیورات مرصع طلائی اور نقرئی سامان، خوشبوئیں، رنگ اور مصالحے، چوبینہ کا کام، لوہے کا سامان، فولاد کے آلات۔ اور ہتھیار، غرضکہ تمدن اور تمول کی اعلیٰ سے اعلیٰ ضروریات دُور دُور کے ممالک یہاں سے منگاتے تھے، اور چونکہ ہندوستان نے جہاز سازی، اور جہاز رانی میں بھی بہت ترقی کر لی تھی، اس لئے یہ ساری چیزیں ہندوستان ہی کے بنے ہوئے جہازوں میں ہندوستانی جہاز راں کی زیر نگرانی جایا کرتی تھیں، اور انہیں مصنوعات کی خاطر یورپ

والے ہندوستانی تجارت کے شیدائی تھے، اور اس کی راہ میں جان و مال لٹاتے تھے۔

جیسا کہ اوپر بتلایا جا چکا ہے، سولہویں صدی سے یورپ کے تاجر بحری راستہ سے ہندوستان آنا شروع ہوئے اور سترہویں صدی کی ابتدا میں انگلستان کے تاجر ہندوستان پہنچے، اور سترہویں صدی کے وسط سے تجارت میں ترقی شروع ہوئی، اور سترہویں صدی کے آخر میں اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ سوتی کپڑا، ریشم اور ریشمی کپڑا، اون، متفرق مصنوعات، شورہ، نیل، مصالحے اور ادویات خاص کر انگلستان کو برآمد ہوتی تھیں، بلکہ ایسٹ انڈیا کمپنی کی معرفت ہندوستانی کپڑا انگلستان کے علاوہ آئرلینڈ، اسپین، فرانس، جرمنی اور تمام قرب و جوار کے یورپی ممالک میں پھیل گیا، اور ایسا مقبول ہوا کہ امیر و غریب سب ہی استعمال کرنے لگے، ہندوستانی کپڑا خوش وضع، خوش رنگ، پائدار اور بہت سستا تھا، یوں تو وہ عام طور پر کالیکو کہلاتا تھا۔ لیکن چھینٹیں، دریس، گنگم، ہمہم وغیرہ اس کی بہت سی قسمیں مشہور تھیں، تن پوشی سے لیکر اعلیٰ سے اعلیٰ

فیشن اور زیب و زینت کی ضروریات انہیں سے پوری ہوتی تھیں۔
انگلستان کے پارچہ باف ہندوستانی کپڑے کا مقابلہ کرنے سے بالکل
عاجز تھے، وہ زیادہ تر اونی کپڑا تیار کرتے تھے، اور اس کے معاوضہ میں
ہمسایہ ممالک سے کچھ سن کا کپڑا بھی منگاتے تھے، جو لینین کہلاتا
تھا، انہیں کپڑوں سے پہننے، اوڑھنے کا کام چلتا تھا، ہندوستانی
کپڑا اپنی خوبیوں کی بدولت اس قدر مقبول ہوا کہ پارچہ بافوں
کا روزگار بالکل مارا گیا، اور دوسرے ملکوں سے انگلستان میں
سن کا کپڑا آنا بھی بند ہو گیا۔

جیمس اول کے زمانہ سے انگلستان میں ریشمی کپڑے کی صنعت
پر بھی توجہ جاری تھی، پہلے پہلے ایسٹ انڈیا کمپنی نے فارس اور چین سے
کچھ ریشم خام لا کر دیا، تو انگلستان کے صناع بہت خوش ہوئے،
اور صنعت میں جان پڑ گئی، لیکن بنگال ریشم کا گھر ہے، وہاں ریشمی
کپڑے کی صنعت درجہ کمال کو پہنچ گئی تھی، ایسٹ انڈیا کمپنی نے
کارخانے قائم کر کے پارچہ بافوں سے ریشمی کپڑے تیار کرانا شروع
کر دیئے۔ بلکہ انگلستان سے کچھ پارچہ باف بلا کر اُن کی مدد کیلئے

رکھدیے۔ طرح طرح کے لاجواب ریشمی کپڑے تیار ہونے لگے مثلاً اطلس، کمخواب، ساٹھن، تن زیب اور رومال وغیرہ، اور سب کے سب پائدار اور ارزاں جب یہ مال انگلستان پہنچا تو لوگ دیکھ کر دنگ ہو گئے، اور بے ساختہ بول اُٹھے کہ دنیا میں اس سے بہتر کپڑا ملنا محال ہے، اول تو سوتی کپڑے کی مقبولیت کچھ کم نہ تھی، ریشمی کپڑے نے اور بھی دلوں کو موہ لیا، اس کے علاوہ متفرق مصنوعات میں مندرجہ ذیل سامان ہندوستان سے تیار ہو کر انگلستان جایا کرتے تھے۔ اور وہاں بہت مقبول ہوتے تھے، ریشمی رومال، پاناقی ہیٹ (یعنی انگریزی وضع کی ٹوپیاں) سلے سلائے کپڑے، خوشنما دستی پنکھے چینی کے برتن، تانبے، پیتل کے منقش برتن اور صندوقچے، چوبینہ کے سامان، میز کرسی وغیرہ جو نقاشی اور رنگ سازی کا اعلیٰ نمونہ ہوتے تھے، کھلونے اور تصویریں، ایسٹ انڈیا کمپنی کی تجارتی فہرستوں میں یہ سامان بکثرت درج ہیں کہ فلاں فلاں جہاز میں اس اس قدر سامان ہندوستان سے انگلستان پہنچا۔

ہندوستان سے جو سامان خام برآمد ہوتا تھا، اہمیت کے

لحاظ سے اس میں شورہ سب سے مقدم نظر آتا ہے، اس کے بعد نیل، لاک مصالحہ اور ادویات کی برآمد تھی۔

'شورہ' بارود کی جان ہے، اور ہر سلطنت کو بارود کی جس قدر ضرورت ہوتی ہے، وہ محتاج بیان نہیں، اس کی پیداوار عام نہیں شورہ دنیا کے خاص خاص حصوں میں ہوتا ہے۔ خوش قسمتی سے صوبہ بہار میں شورہ قدرتی طور پر افراط سے پیدا ہوتا ہے، ایسٹ انڈیا کمپنی حکومت انگلستان کے واسطے ہندوستان سے شورہ لیجاتی تھی، اور اس کی برآمد پر اس کو ناز تھا۔

جس طرح شورہ بارود کی جان ہے، اُس زمانہ میں نیل رنگ سازی کی جان تھا، اور اس کی ہر جگہ بہت مانگ تھی، خوش قسمتی سے نیل بھی ہندوستان میں بکثرت پیدا ہوتا تھا، اور کمپنی اس کی برآمد بھی خوب کرتی تھی، جب تک یورپ اور خاص کر جرمنی میں نئے نئے رنگ نہیں ایجاد ہوئے، ہندوستان میں نیل کا کاروبار خوب چلتا رہا، اور بیسویں صدی کے وسط سے نیل کا کاربار پھیکا پڑ گیا۔

'لاک' بھی ہندوستان کے جنگلوں کی خاص پیداوار ہے، قدیم

زمانہ میں اس سے اعلیٰ قسم کی رنگین وارنش تیار ہوتی تھی، جس سے لکڑی کی مصنوعات پر نہایت خوشنما نقش و نگار بنتے تھے، اور یہ ہندوستان کی خاص صنعت تھی، سترہویں صدی تک اس کی مانگ بڑی اچھی تھی، اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے واسطہ سے اس کی برآمد جاری تھی۔

ایسٹ انڈیا کمپنی ہندوستان سے کچھ ادویات کی جڑی بوٹی بھی برآمد کرتی تھی۔ افیون بھی لیجاتی تھی، کافی، جو کوہ نیلگری پر پیدا ہوتی ہے، اس کا بھی استعمال انگلستان میں شروع ہو گیا تھا، اور وہ بھی برآمد کی فہرست میں نظر آتی ہے۔ بعد کو انگلستان میں چائے کا شوق بھی پیدا ہو گیا اور وہ بھی ہندوستان سے برآمد ہونے لگی۔

سترہویں صدی کے آخر تک اُن تمام چیزوں کی برآمد بہت زیادہ بڑھ گئی، اور خصوصیت سے انگلستان، ہندوستانی مال کی فروخت کے لئے منڈی بن گیا، اور اس کے مقابلہ میں انگلستان کی معدودے چند صنعتوں میں اونی کپڑا قومی صنعت مانا جاتا تھا۔ لیکن اس میں کوئی خوبی نہ تھی، گراں بہت تھا، اور ہندوستان

میں تو اُسے کوئی پوچھتا بھی نہ تھا، ایسٹ انڈیا کمپنی نے انتہائی کوشش کی کہ انگریزی اُونی کپڑا برآمد ہو، کمپنی نے بہت ہاتھ پیر مارے، فارس میں تو کچھ ضرور فروخت ہوا لیکن ہندوستان میں تو کسی نے ہاتھ بھی نہ لگایا۔ پارلیمنٹ نے ۱۶۹۳ء کے منشور میں کمپنی کے ساتھ یہ شرط لگادی کہ وہ کم از کم ایک لاکھ پونڈ قیمتی اونی کپڑا ہر سال انگلستان سے برآمد کرتی رہے، مجبوراً کمپنی کو منظور کرنا پڑا۔ لیکن وہ ہندوستان میں فروخت نہیں ہوتا تھا، کمپنی کے گماشتے یہاں سے بار بار لکھتے کہ کپڑا گودام میں پڑا ہوا ہے، دیمک لگ رہی ہے، کوئی نہیں خریدتا، اور وہاں سے تاکید آتی کہ اونے پونے جس طرح بھی نکل سکے نکال دو، قیمت کی کچھ پروا نہ کرو، ہم بھی کیا کریں مجبور ہیں، جو کچھ نقصان ہوگا۔ دوسری مدوں سے پورا کردیں گے۔ چنانچہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے ایک مراسلہ مورخہ ۳ر جنوری ۱۶۹۴ء میں لکھا ہے کہ:۔

"ہم کو نیا منشور ملا ہے، اس کے مطابق ہم پہلے سے زیادہ اُونی کپڑا فروخت کرنے پر مجبور ہیں، اور اس کی جو مقدار رکھی گئی ہے، اُس کا

فروخت ہونا کسی طرح ممکن نہیں، اس میں سے کچھ تو فارس بھیج دیا
جاتا ہے اور وہاں اس کی کچھ مانگ بھی ہے، اور بقیہ ہندوستان
چلا جاتا ہے، وہاں بمشکل تھوڑا سا فروخت ہوتا ہے، باقی کو خواہ
ہم مفت تقسیم کردیں، یا گودام میں پڑا رہنے دیں، حتی کہ دیمک
اور کیڑے جن سے ہم کو سخت نقصان پہنچتا رہا ہے، اس کو
چٹ کرلیں۔"

بہرحال ہندوستانی مصنوعات خاص کر کپڑے کو جب انگلستان
میں بہت مقبولیت حاصل ہوئی اور ان کا رواج بڑھا، تو انگلستان
میں بیکاری پھیلنے لگی اور سخت برہمی پیدا ہونے لگی، اور انگلستان
کے صناعوں نے مختلف طریقہ پر حکومت کے سامنے اپنے مطالبات
پیش کرنا شروع کئے اور پارلیمنٹ میں بے شمار محضر اور درخواستیں
پیش ہوئیں جن میں سے چند ذیل میں درج کیجاتی ہیں:۔

(۱) درخواست گذار پھولدار اور ریشمی کپڑا تیار کرتے ہیں
اور اون اور ریشم ملاکر بھی کپڑا بنتے ہیں، اور یہی ذریعہ معاش ہے
لیکن جب سے ہندوستان کا ریشمی اور سوتی کپڑا آیا اور اس کا

رواج بڑھا، یہاں کا کاروبار بالکل مارا گیا، اگر ہندوستانی کپڑا نہ روکا گیا تو یہ صنعت یہاں بالکل تباہ ہو جائیگی۔

(۲) اس علاقہ میں ریشمی اور ریشم اور اون ملا ہوا کپڑا بنا جاتا ہے، اور لوگوں کا یہی عام پیشہ ہے، کچھ دنوں پہلے خوب فراغت سے زندگی بسر ہو رہی تھی، لیکن چند دنوں سے کاروبار بہت گر گیا اور لوگ بیکاری سے پریشان ہیں، استدعا یہ ہے کہ ہندوستانی کپڑے کی تجارت روک کر ملکی صنعت کو پناہ دی جائے۔

(۳) پارچہ بافی اور اس سے متعلق دوسری صنعتیں ہم لوگوں کا خاص پیشہ تھا اور انہیں پر معاش کا مدار تھا، لیکن اب وہ سب صنعتیں غارت ہو رہی ہیں، اور اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ ہندوستان سے ریشمی اور سوتی کپڑا آرہا ہے نتیجہ یہ ہے کہ جو لوگ پہلے دوسروں کی امداد کرتے تھے آج وہ خود بیکار اور محتاج ہیں۔ لہذا درخواست دینے والوں کی استدعا ہے کہ ہندوستانی کپڑا روکا جائے۔

(۴) عرضی گذار ایک بڑی جماعت ہیں، اور زمانہ سے ان کو قانونی طور پر حقوق حاصل ہیں ایسٹ انڈیا کمپنی نے حال میں

ہندوستان سے بہت سی باناتی ٹوپیاں (ہیٹ) بنوا کر منگائی ہیں اگر ان کی درآمد نہ روکی گئی، تو یہ صنعت یہاں تباہ ہوجائیگی، اسلئے کہ ہندوستان میں ہر قسم کی ارزانی ہے، اور مال بہت سستا تیار ہوتا ہے۔

(۵) ہندوستانی لوگ ہمارے ریشمی کپڑے کی صنعت پہلے ہی ہضم کر چکے ہیں، پنکھوں کی صنعت بھی انہوں نے قبضہ میں کرلی ہے اور ہمارے چوبینہ کے کام کو بھی دبالیا ہے۔ اس طرح یکے بعد دیگرے وہ یہاں کی صنعتوں کو برباد کردینگے، معلوم ہوتا ہے کہ کچھ دنوں میں ہندوستان پیرس کا جانشین بن کر ہم پر فیشن عائد کریگا۔ ہم کو تو فرانس ہی کے وضع دار کپڑوں کا آنا سخت ناگوار تھا، اب ہندوستان سے خوب وضع دار لباس تیار ہوکر بکثرت آرہا ہے، اور ہمارے درزیوں کا روزگار تباہ ہو رہا ہے۔

غرض اس قسم کی بے شمار شکایتیں اور درخواستیں پیش کی گئیں، اور یورپ کے صناعوں نے ملکر ہندوستانی مال کے خلاف خوب خوب پروپگنڈا کیا، اور ساتھ ہی ساتھ سودیشی کی تحریک بھی پوری قوت سے

چلائی گئی، وہی سودیشی کے استعمال کی تحریک جب ہندوستان میں چلائی جاتی ہے تو انگریز اس کو کوتاہ نظری سے تعبیر کرتے ہیں اور حکومت اس پر سزائیں دیتی ہے، جیل بھیجتی ہے اور ہر ممکن طریقہ پر اس کے دبانے کی کوشش کرتی ہے۔ لیکن جب خود انگلستان کی صنعت خطرہ میں تھی، تو اس حربہ کو پوری قوت سے استعمال کیا گیا۔ سودیشی کی تائید وحمایت میں نظمیں لکھی گئیں، مضامین شائع کئے گئے، اور رسالے چھاپے گئے اور ان میں ہندوستانی مال کے مقاطعہ پر زور دیا گیا۔ اور انگلستان ہی کا بنا ہوا مال پہننے اور استعمال کرنے کی ترغیب دی گئی۔ انگلستان کی عورتیں خصوصًا فیشن کی بہت زیادہ دلدادہ ہوتی ہیں، اور وہی ہندوستانی مال کی زیادہ قدر کیا کرتی تھیں، اس لئے عورتوں کے لئے خاص طریقہ پر رسالے شائع کئے گئے۔ جن میں ان سے ولایتی مال کے استعمال کی اپیل کی گئی؛ اور مختلف جذباتی اور نفسیاتی طریقہ پر ہندوستانی مال کے مقاطعہ پر زور دیا گیا تھا۔

ولایتی صنعتوں کی تباہی وبربادی کے علاوہ ایک سب سے بڑا غم

انگلستان والوں کو یہ تھا کہ ہندوستانی مال کے بدلے میں انگلستان سے سونا اور چاندی ہندوستان بھیجا جاتا ہے، جس سے ایک ملک کی تباہی یقینی ہے، اور جس کو کوئی بھی اپنے ملک سے باہر نکالنا نہیں چاہتا، چنانچہ اُسی زمانہ میں ایک انگریز نے لکھا تھا کہ :-

"یہ تجارت (ہندوستانی) بدترین قسم کی تجارت ہے، چاندی اور سونا جو کسی طرح بھی ہم کو علٰحدہ نہ کرنا چاہیے، ہمارے ہاتھ سے نکل رہا ہے اور اس کے معاوضہ میں ہمارے یہاں ہندوستانی مصنوعات اور کھیل کھلونے آرہے ہیں۔ جن کی ہم کو کوئی ضرورت نہیں ہے۔"

غرض جب اِس طرح یورپ والوں نے ہندوستانی مال کے خلاف اپنے ملک میں ہنگامہ کیا، تو پھر حکومت کو اس کی طرف توجہ کرنی پڑی، اور کیوں نہ کرتی وہاں تو خود ملک والوں کی حکومت تھی، وہاں ہندوستان کی طرح دوسروں کی حکومت تو تھی نہیں کہ ہندوستانی مریں یا زندہ رہیں، حکومت کو اپنے نفع سے مطلب ہے، ہندوستان کی صنعت تباہ ہو یا محفوظ رہے، حکومت کو اس سے کیا غرض! بہر حال انگلستان کی حکومت نے اپنے ملکی بھائیوں کی چیخ و پکار اور ولایت

کی صنعت کے تحفظ و بقا کی طرف توجہ کی، اور پارلیمنٹ میں بھی اس پر بحث شروع ہو گئی، چنانچہ پارلیمنٹ کے ایک ممبر کرنل برج (Col Breech) تقریر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ :۔

"ہندوستان کی جس چیز نے ہم کو سب سے زیادہ تباہ کیا وہ "کالیکو" یعنی سوتی کپڑا ہے کہ اس نے ہمارے اونی کپڑے کو بالکل نکما کر دیا، کیا افسوس ہے کہ ہندوستانی تو دولت لوٹ رہے ہیں، اور عیسائی تباہ ہو رہے ہیں۔"

ایک اور "صاحب" اس طرح فرماتے ہیں کہ :۔

"انگلستان کے پارچہ بافوں کو ہندوستانی پارچہ بافوں کا مقابلہ کرنا ناممکن ہے، اس لئے کہ اول تو ہندوستان میں مال بہت ارزاں ہے، دوسرے وہاں کے پارچہ باف ایک آنہ روز پر گذر کر سکتے ہیں۔ اگر یہی لیل و نہار رہیں تو یہ خیال کرتے ہوئے دل دھڑکتا ہے کہ آخر اس تجارت کا کیا انجام ہو گا۔ یقیناً ہندوستان کے لوگ مالا مال ہو جائیں گے، اور ہم غربت اور افلاس میں گرفتار ہوں گے۔"

ایک تیسرے "صاحب" نے ہندوستانی تجارت پر اس طرح اظہار

خیال فرمایا کہ :-

"ہندوستانی تجارت کی روک تھام ضروری ہے، کیونکہ نہ صرف پارچہ بافی بلکہ انگلستان کی بہت سی صنعتیں، ہندوستانی مال کی درآمد سے خطرے میں پڑگئی ہیں، ہندوستانی مصنوعات نہ صرف انگلستان میں انگریزی مصنوعات کی جگہ استعمال ہوتی ہیں، بلکہ دوسرے ممالک میں بھی جہاں جہاں ہماری مصنوعات جایا کرتی تھیں، وہ ان کی جانشین بن گئیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ اگر کچھ بندوبست نہ کیا گیا تو ہماری صنعتوں کا خاتمہ ہوجائیگا۔ انگریزی مصنوعات کو نہ کوئی گھر ہاتھ لگائیگا نہ باہر۔"

مسٹر پاکسفن (Mr. Palkisfan) نے اپنی تقریر میں کہا کہ :-

"ہندوستان سے جو کپڑا آتا ہے، وہ نہ صرف ہمارے یہاں اونی کپڑے کی بجائے استعمال ہوتا ہے، بلکہ وہ دوسرے ملکوں میں پہنچکر وہاں بھی ہمارے اونی کپڑے کی جگہ لے لیتا ہے اور اُن ملکوں کے کپڑوں کو بھی ہمارے یہاں آنے سے روکتا ہے، جو ہم پہلے اپنی مصنوعات کے معاوضہ میں منگایا کرتے تھے۔ غرضکہ ہندوستانی کپڑے

نے ہمارے اونی کپڑے کا کام تمام کر دیا اور اپنے مقابل دوسرے ملکوں کے کپڑے کی درآمد بھی انگلستان میں روک دی۔"

ریشمی کپڑے کے متعلق مسٹر شیلڈن (Mr Shielden) نے پارلیمنٹ میں اپنا یہ بیان دیا کہ:-

"انگلستان میں جو ریشمی کپڑا فرانس اور اٹلی سے درآمد ہوتا تھا۔ وہ بالکل بند ہو گیا، اس لئے کہ بنگال کا ریشمی کپڑا اس سے نصف قیمت پر آتا ہے، اور اس سے بہتر ہوتا ہے۔"

حاصل یہ کہ جب ہندوستان کی مصنوعات نے یورپ اور خصوصاً انگلستان کے بازاروں پر قبضہ کر لیا، اور انگلستان کی صنعتیں دم توڑنے لگیں تو انگلستان کے صناع اور وہاں کے بااثر لوگوں نے خوب ہنگامے کئے۔ سودیشی کی تحریک چلائی، حکومت سے ہندوستانی مال کو قطعاً بند کر دینے اور اس کے استعمال کو جرم قرار دینے کا مطالبہ کیا، اور چونکہ زیادہ تر ہندوستانی مال ایسٹ انڈیا کمپنی ہی کے ذریعہ آیا کرتا تھا، اس لئے انگلستان میں عام طور سے کمپنی کی مخالفت شروع ہو گئی، اور ناراضگی پھیل گئی، یہانتک کہ

ایک روز پارچہ بافوں نے ایسٹ انڈیا کمپنی کے دفتروں پر حملہ کردیا
اور قریب تھا کہ غصہ میں اس کا سارا خزانہ لوٹ لیں — حکومت
پر اتنا دباؤ دیا گیا کہ ایک دفعہ کپڑہ بُننے والوں کی عورتوں نے
پارلیمنٹ کی عمارت پر ہلہ بول دیا اور اس کو گھیر لیا، تاکہ اگر کوئی
ممبر ہندوستانی مال پر بندش کی مخالفت کرے تو وہ اس کی اچھی
طرح مرمت کریں۔ گرچہ ایسٹ انڈیا کمپنی اور اس کے حامیوں نے
آزاد تجارت کے فوائد بہت سمجھائے اور بڑی کوشش کی کہ
ہندوستانی تجارت کا وہی پہلا سا سلسلہ جاری رہنے دیا جائے،
لیکن ایک نہ چلی، اور آخرش ۱۷۰۰ء میں انگلستان کی پارلیمنٹ
نے پاس کرہی دیا جس کی رُو سے ہندوستانی کپڑے کی درآمد بند
کردی گئی، اور ہندوستانی کپڑے کا استعمال جرم قرار دیا گیا۔
ایک عرصہ تک یہ قانون جاری رہا۔ اور جب ہندوستان کی صنعت
ختم ہوگئی، تو انگلستان میں ہندوستانی پارچہ کی درآمد کی اجازت
دیدی گئی، لیکن اس پر اتنا زبردست محصول لگایا گیا کہ وہ فروخت
نہ ہوسکے جس کی تفصیل کسی اگلے باب میں آئیگی۔

جس وقت تک انگلستان میں ہندوستانی مال کے متعلق امتناعی قانون پاس نہیں ہوا تھا۔ اس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کا یہی مسلک اور طریقہ رہا کہ ہندوستانی مصنوعات کی تجارت پھیلے، اور دوسرے ملکوں میں اُس کے بازار پیدا ہوں، کیونکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کے اندر جیسا پہلے بتایا جا چکا ہے، مختلف جائز اور ناجائز طریقوں سے صنعت پر قبضہ کر لیا تھا، اس لئے ہندوستانی تجارت کی ترقی سے سراسر کمپنی کا فائدہ تھا۔ لیکن جب سنہ ۱۷۰۰ء میں امتناعی قانون انگلستان کی پارلیمنٹ میں پاس ہو گیا تو پھر ایسٹ انڈیا کمپنی نے بھی اپنا طریقہ بدل لیا۔ یعنی ہندوستان سے مصنوعات برآمد کرنے کے بجائے خام سامان لیجانے کی کوشش شروع کر دی، اور ہندوستان میں ولایتی مال کے رواج دینے کی تدبیریں اختیار کیں۔ اور اُسی روپے سے جو کمپنی، ظالمانہ طریقوں سے ہندوستان سے لے گئی تھی، انگلستان میں مختلف قسم کی صنعتوں اور گوناگوں ایجادات کا سلسلہ شروع کیا گیا۔

حاصل یہ کہ اٹھارہویں صدی کا زمانہ، ہندوستان کی تجارتی، اور

صنعتی تاریخ میں ایک افسوسناک انقلاب کا زمانہ ہے، جبکہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ہندوستان کی صنعت و تجارت کو ختم کر دیا۔ اور ہندوستانی سے کچے مال کی برآمد شروع کی، اور ولایتی مصنوعات کو ہندوستان میں رائج کرنا شروع کیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تھوڑے ہی دنوں بعد سارا ہندوستان ولایتی کپڑوں میں لپٹا ہوا نظر آنے لگا۔ ہر قسم کی چھوٹی بڑی، ضروری اور غیر ضروری مصنوعات، یورپ سے آنے لگیں یہاں تک کہ ہندوستان سوئی اور تاگے میں بھی انگلستان کا محتاج بن بیٹھا جن کی تفصیلات اگلے ابواب میں آئیں گی۔

ہندوستانی کپڑے کی صنعت و تجارت کی تباہی

کسی پچھلے باب میں ہندوستانی کپڑے کی صنعت اور تجارت کی ترقی اور وسعت کے حالات بیان کئے گئے ہیں۔ جن کے مطالعہ کے بعد یہ سمجھ میں آنا مشکل ہے کہ اس قدر کامیاب، ہمہ گیر اور بڑھتی ہوئی تجارت اس طرح ختم ہوگئی، کہ گویا کبھی اس کا نام و نشان نہ تھا، لیکن یہ بھی ایک واقعہ ہے کہ ہندوستانی تجارت جس قدر ترقی یافتہ تھی،

اُسی درجہ مُردہ بھی ہو گئی کہ اب اُس کا نام بھی باقی نہ رہا، وہ ملک جو ساری دنیا کو اپنا بُنا ہوا کپڑا پہنایا کرتا تھا، اب دوسرے ملک کے بنے ہوئے کپڑوں سے ستر پوشی کرتا ہے، وہ ملک جہاں کے تیار کئے ہوئے کپڑوں پر ہر مہذب ملک رشک کیا کرتا تھا، اب کپڑے کو ترستا ہے، وہ ہندوستان جس کے کپڑوں کو پیرس کی نازک ترین خواتین فخر سے پہنا کرتی تھیں، اور اپنے ملکی کپڑے پر نفاست اور عمدگی میں ترجیح دیا کرتی تھیں، اب اسی ہندوستان میں، یورپ کا معمولی کپڑا حیرت کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے۔ کہ ایسا بننا ناممکن ہے، وہ ہندوستان جو انگریزوں کے بقول پریوں کے ہاتھ سے یا مکڑے کے جالے کی طرح کپڑا بنایا کرتا تھا۔ اب وہ موٹا ماٹ بھی بُننا بھول گیا۔

اب سوال یہ ہے کہ آخر یہ ہوا کیوں؟ کیا دوسرے ممالک، خصوصاً انگلینڈ میں مانچسٹر اور لنکاشائر کی تجارت نے دیانتداری کے ساتھ اتنی ترقی کی کہ ہندوستان اس ترقی میں اس کا مقابلہ نہ کرسکا اور ہندوستان کی تجارت انگلستان کے مقابلہ میں ختم ہوگئی۔

اس کے متعلق میں پورے یقین کے ساتھ کہوں گا کہ ہرگز نہیں اگر ایسا ہو تو صبر آجاتا کہ دو ملکوں کے تجّار اور صناع میں مقابلہ ہوا۔ ایک نے کامیابی حاصل کی، دوسرا ناکام رہا۔ ایسا تو ہوتا ہی ہے اور تجارت تو نام ہی اس کا ہے۔ لیکن واقعہ ایسا نہیں، بلکہ اگر کپڑے کی صنعت و تجارت میں ہندوستان کو انگلستان سے مقابلہ کا موقع ملتا، یا دیا جاتا، تو انگلستان اس مقابلہ میں کبھی کامیاب نہ ہوسکتا، بلکہ نتیجہ برعکس ہوتا، اور ہندوستان کی فتح یقینی تھی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، یہ آزاد تجارت کی حمایت کرنیوالی قوم انگریز، اپنی باتوں میں سارے اصول فراموش کر دیتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی کو جبر، ظلم، اور ہر قسم کی ناجائز اور وحشیانہ کارروائیوں سے تباہ کیا گیا، انگریزوں نے اپنے اثر و اقتدار سے کام لیکر ایک تاریک اور تنگ قبر کھودی اور ہندوستان کی صنعت پارچہ بافی کو اس میں زبردستی دفن کر دیا، اور اوپر سے اتنی مٹی دی کہ کبھی زندہ نہ ہو سکے۔

انگریز نہ ہندوستان آئے تو انکی حیثیت محض ایک تاجر کی تھی لیکن شروع

ہی سے انہوں نے قوت حاصل کرنے اور اپنے اثرات کو بڑھانے کی انتہائی کوشش کی، اور جس جس طرح ان کی قوت بڑھتی گئی تجارتی معاملات میں سخت ہوتے گئے، اور اپنی قوت سے ناجائز فائدے اُٹھانے شروع کردیئے۔

ابتداءً انگریزوں نے ہندوستانی پارچہ بافوں کو روپیہ دیکر کام لینا شروع کیا۔ اور پھر اُن پر پابندیاں عائد کرنا شروع کیں، مثلاً کوئی نورباف اپنے گھر کپڑا نہیں بُن سکتا۔ کہیں اور کپڑا فروخت نہیں کرسکتا، کسی اور کے یہاں کام نہیں کرسکتا، اُن کے کپڑوں کی قیمت مقرر کردیجاتی اور پھر کپڑا بننے والا، انگریزوں اور السیٹ انڈیا کمپنی کو اُسی قیمت میں کپڑا دینے پر مجبور ہوتا، اور وہ مقررہ قیمت بازار کے نرخ سے آدھی ہوتی۔ اگر کوئی کاریگر کمپنی کا روپیہ لینے سے انکار کرتا، تو زبردستی کمپنی روپے اس کے حوالہ کرتی۔ اور کام کرنے پر مجبور کرتی، کمپنی کے کارخانوں کا بنا ہوا مال جو ہندوستانی تاجروں کے ہاتھ فروخت کیا جاتا، اس کی قیمت جبراً چار گنی اور پانچ گنی بازار سے زائد لیجاتی۔

جس طرح آج زمیندار دیہاتوں میں رعایا کو پریشان کرنے کے لیے چند رعیتوں کو لالچ دیکر ملا لیا کرتے ہیں اور پھر اُنہی کے ہاتھوں وہاں کی رعایا پر ہر قسم کے ظلم کرتے ہیں، اسی طرح ایسٹ انڈیا کمپنی بھی ہندوستانیوں کو تنخواہیں دیکر اپنا گماشتہ بنا لیا کرتی تھی۔ یہی کمپنی کے گماشتے ہندوستانی کاریگروں کے مال کی قیمت مقرر کیا کرتے تھے، جو بازار کی قیمت سے بہت کم ہوتی، اور اسی مقرر کردہ قیمت میں کاریگروں کو مجبوراً اپنا مال کمپنی کے ہاتھ فروخت کرنا پڑتا، اور وہی گماشتے کمپنی کے بنے ہوئے مال کی قیمت مقرر کرتے، جو بازار کے نرخ سے چار گنا زیادہ ہوتی، اور مجبوراً کمپنی کا مال زیادہ قیمت میں ہندوستانیوں کو خریدنا پڑتا۔ اِس خرید و فروخت کا نتیجہ ظاہر ہے کہ اپنے بنائے ہوئے مال میں تو ہندوستانی کاریگروں کو اصل لاگت بھی ہاتھ نہ آتی، اور جو مال کاریگر کمپنی سے خریدتے وہ قیمت کی زیادتی کی وجہ سے بازار میں فروخت نہ ہوتا۔ اور کمپنی بہرحال نفع میں رہتی کیونکہ وہ تو کاریگروں سے کوڑیوں کے مول چیزیں خرید لیا کرتی اور کمپنی کا مال بازار کی قیمت سے بھی چار گنا زیادہ داموں میں بک جاتا۔

کرتا۔ بھلا ایسی تجارت، یا دوسرے لفظوں میں ڈاکہ زنی، کا اگر کسی کو موقع ملجائے، تو کیوں نہ وہ چند دنوں میں مالا مال ہو جائے۔

اُس پر ستم یہ کہ اگر اس قسم کے تعلقات کوئی ہندوستانی کاریگر کمپنی سے نہ رکھنا چاہتا، یا تعلقات کے بعد کمپنی کے کسی ناجائز حکم کی خلاف ورزی کرتا، تو اُسے کوڑوں سے پیٹا جاتا۔ اس کی مختلف طرح سے سزا کی جاتی، اس کا مال نیلام کرا دیا جاتا۔ ان پر بڑے بڑے جرمانے کئے جاتے، اُنہیں قید کر دیا جاتا، اور کمپنی کو اس قسم کے تمام مظالم کی اجازت قانون کے ذریعہ حاصل تھی، اور قانون کے بننے میں دقت ہی کیا تھی۔ جس قسم کی سفارشیں کمپنی کے افسروں نے کیں، بس اُسی قسم کا قانون بن بنا کر آگیا۔ بنگال، مسولی پٹم اور گجرات جو ہندوستان میں ریشم کے بہت ہی قدیم صنعت گاہ تھی، اور سترہویں صدی تک جبکہ یوروپین مثلاً ڈچ، پرتگالی، فرانسیسی اور انگریز بغرض تجارت ہندوستان آئے، یہاں ریشم کی صنعت کو بہت فروغ تھا۔ جیسا کہ کسی پہلے باب میں بیان کیا جا چکا ہے۔ اور خود ایسٹ انڈیا کمپنی کے خطوط اور اُس زمانہ کے یوروپین سیاحوں کے بیانات سے واضح ہوتا

ہے کہ بنگال۔ ریشم خام کا گودام بنا ہوا تھا، گجرات میں ریشمی کپڑا بکثرت تیار ہوتا تھا۔ اور دکن میں مسولی پٹم بھی ریشم کا گھر مانا جاتا تھا۔ لیکن جب بنگال پر انگریزی تسلط بڑھا، تو ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے فائدہ کی غرض سے یہ مسلک اختیار کیا کہ بنگال میں ریشم خام کی پیداوار کو ترقی دیجائے، اور ہندوستان میں ریشمی کپڑے کی صنعت کو روکا جائے۔ اس پالیسی کی تکمیل کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریشم کا کپڑا بُننے والوں پر جو سختیاں کیں اور جس طرح ان صناعوں کو اپنے ظلم کا تختہ مشق بنایا وہ ایک دل خراش داستان ہے۔ جس کی تھوڑی سی تفصیل ذیل میں بیان کیجائیگی:

ہندوستان کے ریشمی کپڑے سے اس قدر بغض تھا۔ کہ ولایت میں اس کی درآمد قطعاً روک دی گئی، اور اس کا استعمال جُرم قرار دیا گیا، اور اس کے برعکس ہندوستان کا ریشم خام اس قدر منظور نظر ہوا کہ ولایت میں اس پر خفیف سا محصول درآمد محض برائے نام لگایا گیا، نتیجہ اس کا یہ ہوا کہ ہندوستانی ریشمی کپڑے کی برآمد اس قدر گھٹی کہ ولایت سے ریشمی کپڑے کی اُلٹی درآمد

شروع ہوگئی۔ اوّل کپڑے کے ساتھ ریشم خام پر یونہی زد پڑی، دوسرے اسی زمانے میں فرانس اور اٹلی میں ریشم کا کپڑا بنا جانے لگا۔ چین و جاپان پہلے ہی سے حریف بنے ہوئے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ریشم خام کی برآمد بھی گھٹ گئی۔ اس طرح دیکھتے دیکھتے ریشم کی صنعت پر ایسی تباہی آئی کہ کل کی باتیں آج افسانہ بن گئیں۔ ریشم کی درآمد کی تفصیل آگے چل کر ایک نقشہ سے معلوم ہوگی۔

جبر انگمپنی کے مال کی قیمت زیادہ لینا اور کاریگروں کے مال کی قیمت کم دینا

لارڈ میکالے (Lord Macaulay) کا بیان ہے کہ:-

"کمپنی کے ملازموں کے عیوب محض ظلم ہی تک محدود نہ تھے۔ بلکہ اُن عیوب سے ایسے نتائج پیدا ہوتے تھے، جیسا کہ دولتمند بننے کی بے اُصول حرص سے پیدا ہوتے ہیں، اور اس دولتمند بننے کی بے اصول حرص کی تفصیل کے لئے ایک مسلمان نواب کی تحریر دیکھنے کے قابل ہے۔ نواب بنگال نے گورنر کو ۱۷۶۲ء میں لکھا تھا کہ کمپنی کے ملازم رعایا اور سوداگروں کا مال و اسباب چوتھائی قیمت پر لے لیتے ہیں،

اور اپنے ایک روپیہ کے مال کی قیمت اُن سے جبراً پانچ روپیہ وصول کرتے ہیں"۔

مسٹر ولیم پولٹس (Mr William Poltiss) نے ۱۷۷۲ء میں کہا تھا کہ:۔

"تمام اندرون ہندوستان کی تجارت اور کمپنی کا ایک خاص طریقہ پر ہندوستان میں روپیہ لگانا، یہ سب مسلسل مظالم کا ایک ایسا منظر ہے جس کے بُرے اثرات کو، پوری شدت کے ساتھ ہندوستان کا ہر کپڑا بُننے والا اور ہر کاریگر، محسوس کر رہا ہے، ہر سامان جو تیار کیا جاتا ہے، وہ کمپنی کی مخصوص ملکیت ہو جاتا ہے اور انگریز اپنے بنیوں اور کالے رنگ کے گماشتوں کے ذریعہ انتہائی خود رائی سے یہ طے کرتے ہیں کہ ہر کاریگر کتنا مال دیگا اور کس قیمت پر دیگا۔ اور ان امور میں بالعموم جب کپڑا بننے والے کمپنی سے پیشگی روپیہ لینے سے انکار کرتے ہیں تو وہ روپیہ زبردستی ان کی کمر میں بندھوا دیا جاتا ہے، اور پھر اس کے کوڑے مارے جاتے ہیں۔ اس محکمہ میں جو بدمعاشیاں کی جاتی ہیں، وہ وہم و قیاس میں کبھی نہیں آسکتیں

ہر چیز کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ غریب جولاہے کو ٹھگا جاتا ہے۔ کیونکہ کمپنی کے گماشتے جو قیمت مقرر کرتے ہیں، وہ بالعموم بازار کی قیمت سے پندرہ فی صدی سے لیکر چالیس فی صدی تک کم ہوتی ہے، اس قسم کا غیر منصفانہ سلوک ریشم خام بُننے والوں کے ساتھ کیا جاتا ہے، اور اس امر کی مثالیں موجود ہیں کہ ان لوگوں نے ریشم کاتنے کی تکالیف سے تنگ آکر اپنے انگوٹھے کٹوا لیے تاکہ وہ اس جبر و تشدد سے محفوظ رہیں۔"

کاریگروں کو جرمانہ، قید، کوڑے اور انگوٹھا کاٹ لینے کی سزا دینا، مال کا ضبط اور نیلام کر دینا

مذکورہ بالا شہادت سے معلوم ہوا کہ ریشم کاتنے والے کمپنی کے ظلم سے تنگ آکر اپنے انگوٹھے کٹوا لیا کرتے تھے، تاکہ کمپنی کے مظالم اور سختیوں سے محفوظ رہیں۔ لیکن جب حسب ذیل شہادتیں بتلاتی ہیں کہ کمپنی نے وحشت و بربریت کی انتہا کر دی تھی، جرمانہ، قید اور کوڑے

کی سزا سے بھی جب کمپنی والوں کا دل ٹھنڈا نہ ہوتا تو وہ کاریگروں کے انگوٹھے کٹوا دیا کرتے تھے، تاکہ وہ بیکار ہو جائیں، اور کوئی کام نہ کر سکیں۔

مسٹر ولیم پولٹس (Mr william Poltiss) نے اپنی رپورٹ میں لکھا ہے کہ:۔

"جو کپڑا بُننے والے، کمپنی کے ایجنٹوں کے بنائے ہوئے "راضی نامہ" جنہیں "مچلکہ" کہا جاتا تھا، عمل کرنے سے قاصر رہتے، اُن کا مال ضبط کرکے کھڑے نیلام کرایا جاتا تھا۔ "کچا ریشم" نکالنے والوں کے ساتھ طرح طرح کی زیادتیاں کی جاتی تھیں، حتیٰ کہ اُن کے انگوٹھے کاٹ لئے جاتے تھے، تاکہ وہ اپنا کام نہ کر سکیں، کپڑا بُننے والوں کو مجبور کیا جاتا ہے کہ اپنے مفاد کے خلاف کمپنی کا کام کریں، چنانچہ ان پر بڑے بڑے جرمانے کئے جاتے تاکہ وہ کمپنی کا کام کریں، کپڑا بننے والوں کو سخت سے سخت سزائیں دیجاتی تھیں، اور اس طرح اُنہیں مجبور کیا جاتا کہ کپڑے بننا چھوڑ دیں۔"

تجارتی بورڈ کی ڈائری بابت ۱۷۹۶ء اور ۱۸۱۱ء میں مذکور

ہے کہ :۔

"اُن غریب کپڑا بننے والوں اور ملک کے کاریگروں پر جو غلاموں کی طرح کمپنی کا کام کرتے تھے، سخت سے سخت سزائیں دیجاتی تھیں، جرمانے ہوتے تھے، قید کیا جاتا تھا، کوڑے پڑتے تھے، اور اُن پر ایسی پابندیاں لگائی جاتی تھیں، جس کے باعث کپڑا اُبننے والوں کی تعداد بہت کم ہوتی جاتی تھی۔"

کاریگروں کے لئے ظالمانہ قوانین

مذکورۂ بالا مظالم جو کمپنی کے افسر ہندوستانی کاریگروں پر ڈھایا کرتے تھے، اُن کی حیثیت ذاتی اور نجی نہ تھی، بلکہ اُن مظالم کی اجازت انہیں قوانین کے ذریعہ حاصل تھی، جن کا مقصد ہی صرف یہ تھا کہ جس طرح بھی ممکن ہو ہندوستان کی صنعت اور تجارت کو ذبح کر ڈالا جائے۔

مسٹر رمیش چندر دت، آئی۔ سی۔ ایس۔ سی۔ آئی۔ ای، نے اپنی مشہور کتاب "ہندوستان کی اقتصادی تاریخ" میں لکھا ہے کہ :۔

"ایسٹ انڈیا کمپنی کے عہدہ دار ہندوستان کے نداف اور ہندوستانی

کی صنعت کو نیست و نابود کرنے کی غرض سے مختلف قسم کی تدابیر
استعمال کرتے تھے۔ پہلے کچھ پیشگی دے کر ان کو ملازم رکھ لیا کرتے
تھے، اور جو چاہتے اُن سے کام لیتے۔ اگر کسی نے کچھ بھی خلاف
معاہدہ کیا، تو ٹکٹکی میں باندھ کر بیدوں سے سزا دیتے، اور
اُن کی انگلیوں کو مختلف قسم کی ایذا دیتے۔ ۱۷ مارچ ۱۷۶۹ء کو
ایسٹ انڈیا کمپنی نے جو عام ہدایتیں اپنے عہدہ داروں کو جاری
کی تھیں، ان کا پڑھنا بھی تکلیف دہ ہے، ہاؤس آف کامنس کمیٹی
کے روبرو ۱۸۱۳ء میں ایک شہادت گذری تھی، اُس سے ظاہر
ہوتا ہے کہ کمپنی کے عہدہ دار کپڑا بننے والوں کو بھیڑوں کی طرح
ایک جگہ پر جمع کر کے کھڑا کرتے تھے، اور ان پر پہرہ مقرر کر دیا
جاتا تھا کہ جب تک وہ کمپنی کے حسب خواہ معاہدہ پر دستخط نہ کر دیں
اپنی جگہ سے ہٹنے نہ پائیں، مسٹر کاکس نے شہادت دی تھی کہ اس
طرح معاہدے کے پابند کپڑا بننے والوں کی تعداد صرف اُن کے
ایک کارخانہ میں (۱۵۰۰) ہے۔ کمپنی کے "قانون" کے بموجب
جب کسی پارچہ باف نے کمپنی سے پیشگی رقم لے لی، پھر اس کو یہ حق

نہ تھا کہ کسی دوسرے کا کام کرے اور اگر کوئی پارچہ باف ایک سے زیادہ کرگھہ اپنے گھر میں رکھتا تو بڑا تاوان دینا پڑتا یا فوجداری میں مقدمہ چلایا جاتا۔ اس قانون کے ذریعہ کمپنی کے عہدہ داروں کو کاریگروں کے مکانوں میں ان کی مرضی کے خلاف داخل ہوجانے کا بھی اختیار دیا گیا تھا۔"

ہندوستان کی برآمد پر زبردست محصول

مذکورۂ بالا ظالمانہ اور وحشیانہ طریقے بھی شائد انگریزوں کے نزدیک ہندوستانی تجارت وصنعت کا گلا گھونٹنے اور زندہ درگور کرنے کے لیے ناکافی تھے اس لئے ہندوستان کی تجارت کو برباد کرنے کے لیے ایک اور حربہ استعمال کیا گیا، اور وہ ہندوستانی مال کی برآمد پر زبردست محصول تھا۔

کسی پہلے باب میں یہ معلوم ہوچکا ہے کہ انگلینڈ ہی ہندوستانی کپڑے کی سب سے بڑی منڈی تھا۔ ہندوستانی کپڑے انگلینڈ میں ولایتی کپڑے کے مقابلہ میں زیادہ فروخت ہوا کرتے تھے۔ لیکن جب

انگریزوں سے ہندوستانی صنعت وتجارت کی ترقی دیکھی نہ گئی تو
پہلے ہندوستان کے اندر اپنے اثر واقتدار سے ناجائز فائدہ اُٹھاکر
مختلف شرمناک طریقوں سے صنعت کا گلا گھونٹا اور ہندوستانی
مصنوعات پر انگلینڈ میں بھاری محصول لگائے تاکہ ہندوستان
کا کپڑا انگلینڈ میں فروخت نہ ہوسکے۔ اور اس طرح ہندوستانی
صنعت وتجارت کے دفن کرنے کا پورا سامان مہیا کردیا جائے،
یہ آزاد تجارت کی حمایت کرنے والی قوم انگریز اپنے معاملات
میں سارے اصول فراموش کردیتی ہے۔ اس وقت بھی جبکہ
ہندوستانی مصنوعات پر بھاری بھاری محصول لگائے جارہے
تھے۔ انگلینڈ سے پوری قوت کے ساتھ آزاد تجارت کی حمایت
میں آواز بلند کیجارہی تھی۔ لیکن اس کا مقصد صرف یہ تھا کہ آزاد
تجارت کے نام سے ولایتی مال ہندوستان میں بغیر کسی محصول
کے یا بہت ہی قلیل محصول پر درآمد کیا جائے لیکن ہندوستانی
مال پر انگلینڈ میں ایک ہزار فی صدی محصول لیا جائے۔
مسٹر مانٹ گمری (Mr. Mont- Gomery) کا

بیان ہے کہ :-

"ہم نے رُبع صدی کے دوران میں ہندوستانی علاقوں کو، اپنی (ولایتی) مصنوعات خریدنے پر اس طرح مجبور کیا کہ ہمارے (ولایتی) اونی مال پر ہندوستان میں کوئی محصول نہیں لیا جاتا تھا سوتی مال پر ۲ ½ فی صدی محصول تھا۔ اور اسی نسبت سے دوسری ولایتی اشیاء پر محصول لگایا گیا تھا۔ حالانکہ اُسی زمانہ میں ہندوستان کے بنے ہوئے مال پر انگلستان میں ہم ایسے محصول لگاتے رہے کہ ہندوستانی مال کی درآمد (انگلستان میں) بند ہو جائے، اس محصول کی مختلف شرحیں دس فی صدی، بیس فی صدی، تیس فی صدی، پچاس فی صدی، سو فی صدی، پانچ سو فی صدی اور ہزار فی صدی تک اُن چیزوں پر لگائی گئیں، جو ہندوستان کی بنی ہوئی ہوں۔ اس لئے ہندوستان کے ساتھ آزاد تجارت کی جو چیخ و پکار ہو رہی تھی وہ دراصل انگلستان کے مال کی آزاد تجارت کی تھی۔ نہ کہ ہندوستان کے اُس مال کی، جو انگلستان بھیجا جائے۔ سورت، ڈھاکہ، مرشد آباد اور دوسرے مقامات کی (جہاں کی دیسی صنعتیں عروج پر تھیں) بربادی کی داستانیں

کا بیان کرنا حد درجہ دل خراش ہے۔ میری رائے میں یہ بربادی ایمان داری کے ساتھ تجارت کو ترقی دینے کے لیے نہ تھی، بلکہ میرا خیال ہے کہ وہ ایک زبردست طاقت تھی، جس کے ذریعہ کمزور کو دبایا جا رہا تھا۔"

مسٹر ایچ، ایچ ولسن (Mr. H. H. Wilson) نے تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ:-

"۱۸۱۳ء میں شہادت سے یہ ثابت ہوا کہ ہندوستان کے سُوتی اور ریشمی کپڑے خود انگلستان کے بازاروں میں انگلستان کے کپڑوں سے قیمت ۵۰ - ۶۰ فی صدی سستے تھے، اور اس لئے یہ ضروری معلوم ہوا کہ یا تو ہندوستان کے مال پر ان کی قیمت کے لحاظ سے ۷۰ - ۹۰ فی صدی محصول لگایا جائے، یا قانوناً ان کی آمد روک روک دی جائے۔ اگر ایسا نہ کیا جاتا، تو پیسلی اور مانچسٹر کے کپڑے کی ملیں شروع ہی میں بند ہو جاتیں، اور مشینوں کی قوت کے باوجود نہ چل سکتیں، اُن کی ترقی کے لئے ہندوستان کی مصنوعات کو قربان کرنا پڑا، اگر ہندوستان آزاد ہوتا تو وہ بھی انتقام لیتا اور انگریزی

مصنوعات پر زبردست محصول لگا کر صنعت کو تباہی سے بچا لیتا'
مگر ہندوستان کو اس کی اجازت نہیں دی گئی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ
ہندوستان ایک اجنبی کے رحم پر ہے۔ انگریزی مال بلا کسی محصول کے
بھر دیا گیا' اور سیاسی بے انصافی کی قوت سے ملکی مصنوعات کو جس سے
وہ کبھی ایمانداری سے مقابلہ نہیں کر سکتا تھا' بالکل تباہ کر دیا گیا۔"

سر ولیم ڈگبی' سی' آئی' ای (Sir William Digby)، ممبر پارلیمنٹ نے اپنی مشہور کتاب پراسپرس برٹش انڈیا
میں ہندوستانی مال پر محصول سے بحث کرتے ہوئے مسٹر ریکرڈز
کی ایک شہادت نقل کی ہے جس سے مختلف قسم کے چند کپڑوں پر
محصول کا اندازہ ہوتا ہے کہ کس طرح معمولی معمولی کپڑوں پر جس میں
منافع کی مقدار بہت ہی کم ہوتی ہے' بھاری بھاری محصول لگا کر
انگریزوں نے ہندوستانی صنعت کو فنا کے گھاٹ اتارا ہے۔

مسٹر ریکرڈز کی شہادت حسب ذیل ہے:۔

"ہندوستان کی بہت سی چیزوں پر محصول نہایت ہی سخت لگایا گیا اور
کسی مقررہ اصول یا بازار کے نرخ کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا۔ کمپنی کے

حدود میں ہندوستانی بھی انگریزی، اسکاچ، اور آئرش کی طرح برٹش کی رعایا ہیں، یہ انصاف کا کوئی اصول نہیں کہ ایک ہی سلطنت کی رعایا کے ایک فریق کے ساتھ رعایت کی جائے تو اس قدر کہ اس پر ہندوستان میں نہایت خفیف محصول لگایا جائے۔ اور جب ہندوستانی چیزیں انگلینڈ جائیں تو اُن پر اس قدر سخت محصول لگایا جائے، کہ بازار میں فروخت نہ ہو سکیں۔ کیا ہندوستانی اس سلوک کے شاکی نہیں ہیں؟"

اس کے بعد مسٹر ریکرڈز نے ہندوستانی کپڑوں پر محصولات کی کچھ تفصیلات بتلائی ہیں:۔

"۱۸۱۳ء میں ہندوستان کے سُوتی کپڑہ پر انگلستان میں مندرجہ ذیل محصول لیا گیا:۔

ہندوستانی کپڑے کی قسم	محصول جو انگلستان میں لگایا گیا						
	قیمتی سو پونڈ پر	پونڈ	شلنگ	پنس	روپیہ	آنہ	پائی
پھولدار، دھاری دار اور سفید ململ	قیمتی سو پونڈ پر	۳۲	۹	۲	۴۸۶	۱۴	
اُن ہی کپڑوں پر مزید محصول اُسی سال	؍؍	۱۱	۱۷	۶	۱۷۷	۱۲	۶
		۴۳	۲۶	۸	۶۶۳	۱۰	۶

ہندوستانی کپڑے کی قسم	محصول جو انگلستان میں لگایا گیا۔						
	قیمتی سو پونڈ پر	پونڈ	شلنگ	پنس	روپیہ	آنہ	پائی
چھینٹ اور ڈوریہ	″	۸۱	۱۲	۱۱			
انہی کپڑوں پر مزید محصول اسی سال	″	۳	۱۹	۱۲			
		۸۴	۳۱	۲۳			
روئی کے کپڑے	″	۸۱	۲	۱۱			
بالکل روئی یا ملاوٹ کے کپڑے	″	۳۲	۹	۲			
اونی کپڑے	″	۸۴	۶	۳			

ہندوستانی مال پر محصول کے یہ اعداد وشمار صرف ایک سال کے ہیں، اگر مختلف سالوں کے اعداد وشمار سامنے ہوں تو محصول کی زیادتی کا صحیح اندازہ کیا جاسکتا ہے، اور پھر خصوصاً یہ اعداد وشمار ۱۸۱۳ء کے ہیں جبکہ ہندوستانی تجارت پر انگریزوں کے مظالم کو ایک سو سال گزر چکے تھے۔ اور الیسٹ انڈیا کمپنی کی وحشیانہ پالیسی ہندوستانی صنعت وتجارت کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو چکی تھی، ۱۸۱۳ء میں محصول کی زیادتی پر حیرت نہیں ہوتی، بلکہ حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ مسلسل ایک سو سال تک کچلنے اور تباہ کئے جانے کے باوجود

ہندوستانی صنعت و تجارت میں اتنی جان باقی تھی کہ اس کو ختم کرنے کے لیے اتنے زبردست محصول لگانے کی انگریزوں کو ضرورت پڑی، اور یہ تو انگریزوں کی شہادتوں سے جیسا کہ اسی باب میں پہلے نقل کی گئی ہیں، ثابت ہو چکا ہے کہ ہندوستان کے مال پر جس کی قیمت ایک سو روپیہ ہوتی تھی، انگلستان میں پانچ سو روپے اور ایک ہزار روپے محصول لگایا گیا ہے۔

ڈاکٹر اینی بیسنٹ نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ:۔

"ایک اور مسئلہ جس میں ہندوستانیوں کے ساتھ صریح ناانصافی کی گئی، لنکاشائر کی حفاظت کا مسئلہ ہے، انگلستان نے ہندوستان پر اتنا محصول عائد کیا کہ ہندوستان کی مصنوعات تباہ و برباد ہو گئیں، پہلے ہندوستان کا دیسی مال انگلستان کے بازاروں میں بھیجا جاتا تھا، لیکن جب اس کو لنکاشائر کی صنعت پر پروان چڑھانا چاہا، تو قانون کے ذریعہ ہندوستان کی دیسی مصنوعات پر زبردست محصول عائد کیا گیا، اور ہندوستان کی سوتی اشیاء کی درآمد کو واجب التعزیر قرار دیا گیا اور اُس شخص کے لئے سزا مقرر کی گئی جو اس مال کو انگلستان

میں لائے اور خریدے' اس طرح لنکا شائر کی صنعت محفوظ اور ہندوستان کی تجارت برباد ہوگئی۔ اور جب انگلستان کو دُنیا کے بازاروں اور منڈیوں کی ضرورت پیش آئی، تو پالیسی کو آزاد تجارت کی صورت میں (صرف اپنے لئے)، تبدیل کردیا گیا۔"

مسٹر آر۔ سی۔ دت، نے بھی محصول پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے کہ

"اُنیسویں صدی کے پہلے چار برسوں میں باوجود تمام امتناعی ٹیکسوں اور رکاوٹوں کے چھ ہزار سے پندرہ ہزار تک سوتی کپڑوں کے گھٹے سالانہ کلکتہ سے انگلستان کے لئے بار کئے گئے۔ لیکن جب ۱۸۱۳ء سے اکیاسی پونڈ دو شلنگ گیارہ پنس کا ٹیکس لگایا گیا تو ہندوستانی کپڑوں کی برآمد نہایت تیزی کے ساتھ کم ہوگئی یہاں تک کہ ۱۸۱۷ء میں ڈھاکہ کی برآمد بالکل بند ہوگئی۔"

ڈاکٹر ونری (Dr. Venery) نے ان محصولوں کی تفصیل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:-

"ہندوستانی مال پر تیس فی صدی سے لیکر تین سو فی صدی تک محصول لگایا گیا۔ ۱۸۱۳ء کی تحقیقات میں ذکر کیا گیا ہے ہندوستانی کپڑے کم از کم

پچاس٥٠ ساٹھ٦٠ فی صدی کے نفع پر ولایت کے بازاروں میں بکتے تھے،
اس لئے ہندوستانی کپڑوں پر ستر اسی فی صدی محصول لگایا گیا۔
ہندوستانی کپڑوں پر جو محصول لگایا گیا ہے' اس کا منظر اتنا دردناک
ہے کہ بیان نہیں کیا جاسکتا۔ یقیناً اگر اُس کا نصف محصول بھی ولایتی
کپڑوں پر قائم کر دیا جاتا تو آج پورا انگلینڈ فاقہ کشی سے ہلاک ہو چکا
ہوتا۔ ہندوستانی مصنوعات پر جو مختلف سالوں میں ٹیکس لگائے گئے
اس کی تفصیل ذیل کے اعداد و شمار سے معلوم ہوگی :-

سنہ	قسم کپڑا	محصول جو لگایا گیا: قیمتی انگلستانی روپیہ پر	روپیہ	آنہ	پائی	کیفیت
۱ سنہ ۱۸۳۴ء	ریشمی کپڑا	"	۴۰	×	×	
۲ سنہ ۱۸۳۴ء	زربفت	"	۳۰	×	×	
۳ سنہ ۱۸۱۴ء	شال چادر	"	۷۱	×	×	
۴ سنہ ۱۸۱۴ء	چھینٹ	"	۷۱	×	×	سنہ ۱۸۱۲ء والی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق ۷۰ فیصدی ختم ہونیکے بعد چھینٹ پر دس فیصدی کردیا گیا۔
۵ سنہ ۱۸۴۴ء	شال چادر اور چھینٹ	"	۶۷	۸	×	
۶ سنہ ۱۸۱۴ء	قالین	"	۶۸	۸	×	

سنہ	قسم کپڑا	محصول جو لگایا گیا				
		قیمتی انگلستانی روپیہ پر	روپیہ	آنہ	پائی	کیفیت
۷ سنہ ۱۸۲۴ء	قالین	"	۵۰	×	×	
۸ سنہ ۱۸۳۲ء	"	"	۳۰	×	×	جب قالین کی صنعت مردہ ہوگئی۔
۹ سنہ ۱۸۱۴ء	بانات کا ریشمی سامان	"	۱۷	×	×	
۱۰ سنہ ۱۸۲۴	"	"	۵۰	×	×	
۱۱ سنہ ۱۸۲۳ء	"	"	۳۰	×	×	
۱۲ سنہ ۱۸۱۲ء	معمولی سوتی کپڑے	"	۲۷	۸	×	
۱۳ سنہ ۱۸۲۴ء	"	"	۵۰	×	×	
۱۴ سنہ ۱۸۳۱ء	"	"	۲۰	×	×	
۱۵ سنہ ۱۸۱۲ء	دری	"	۲۰	×	×	مطابق تحقیقاتی کمیٹی سنہ ۱۸۱۲ء

محصول کے اس نقشہ پر غور کرنے سے معلوم ہوگا کہ ابتداءً ہندوستانی
کپڑوں پر زبردست ٹیکس لگایا گیا اور اصول یہ رکھا گیا کہ ہندوستانی
کپڑے جتنے فی صدی منافع کے ساتھ انگلستان میں فروخت ہوا کرتے

تھے، اس پر پندرہ بیس فی صدی کا اضافہ کر کے ٹیکس لگایا گیا۔ تاکہ اُن کی نکاسی بند ہو جائے، اور جس جس طرح ٹیکس کی وجہ سے ہندوستانی صنعت ختم ہوتی گئی، اور دیسی مال کی برآمد کم ہوتی گئی ٹیکس کم ہوتا گیا، اس طرح ہندوستان کی صنعت و تجارت کو موت کے گھاٹ اُتارا گیا۔

مسٹر ہنری سینٹ جارج ٹکر (Mr Henery Saint george Tucker) جو ایک عرصہ تک ہندوستان میں رہے، اور پھر جب ہندوستان سے انگلستان واپس گئے تو اپنی واقفیت اور تجربہ کی بنا پر، ایسٹ انڈیا کمپنی کے منتظمین میں داخل کر لیے گئے، انہوں نے ۱۸۲۳ء میں لکھا کہ:۔

"ہندوستان کے ریشمی اور سوتی کپڑے، یوں تو عرصہ ہوا انگلستان کے بازاروں سے خارج کر دیئے گئے لیکن حال میں کچھ تو (۶۷) فیصدی محصول کی وجہ سے جو ہندوستانی کپڑے پر انگلستان میں لگا ہوا ہے اور کچھ اس سبب سے کہ انگلستان کی مشینیں بہت اعلیٰ ہیں، یہ نوبت پہنچی ہے کہ نہ صرف سوتی کپڑا جو اب تک ہندوستان کی بڑی صنعت تھا

انگلستان آنے سے رُک گیا، بلکہ اُلٹا انگلستان سے سوتی کپڑا تیار ہو ہو کر ایشیائی مقبوضات اور خصوصاً ہندوستان جانے لگا' حتیٰ کہ ہندوستان جو ایک صنعتی ملک تھا۔ گھٹ کر زراعتی ملک رہ گیا۔"

ان ہی زبردست محصولات کے سہارے انگلستان کی صنعت نے ترقی کی' اور انگلستان نے اپنی ملکی صنعت کو ترقی دینے کے لئے تامین تجارت کے اصول کو پوری سختی سے برتا' ورنہ ان کی کامیابی ناممکن تھی۔ انگلستان کے مشہور مصنف مسٹر ارنلڈ ٹائینبسی پیاگرہ (Arnald Tyn be.ss y) نے لکھا ہے کہ:۔

"تامین کے بغیر انگلستان کی صنعتیں اس قدر تیزی کے ساتھ ترقی نہیں کر سکتی تھیں' اور جب تامین کا طریقہ جاری ہو گیا تو تمام حریف صنعتیں اس کا سہارا ڈھونڈنے لگیں' نتیجہ یہ کہ ہندوستان کی صنعتیں ہماری صنعتوں پر قربان کر دی گئیں۔"

مسٹر ریکرڈز (Mr. Records) نے لکھا ہے کہ:۔

"یہ ناقابل برداشت محصول آخر کار منسوخ کئے گئے' مگر اس وقت جبکہ ہندوستانی دستکاری تباہ ہو گئی۔ اور ہندوستان کی بنی ہوئی

چیزیں انگلستان جانا بند ہو گئیں"۔

انگلستان میں ہندوستانی کپڑوں کی ممانعت

انگریزوں نے ہندوستانی کپڑوں کی صنعت اور تجارت کو ختم کرنیکے لئے صرف بھاری محصول ہی نہیں لگائے، بلکہ قانون و احکام کے ذریعہ ہندوستانی کپڑے کی انگلستان میں درآمد اور اس کی خرید و فروخت کی ممانعت بھی کی۔ اور انگلستان میں ہندوستانی کپڑوں کے لیجانے والے، اس کے بیچنے اور خریدنے والے کے لئے سزائیں بھی مقرر کیں۔ چنانچہ پروفیسر لیکی (Prof Lecky) نے تاریخ انگلستان میں لکھا ہے کہ:-

"پارلیمنٹ نے ۱۷۰۰ء اور ۱۷۲۱ء میں ایسے قانون نافذ کر دئے جن کی رُو سے ہندوستان کے رنگین اور پھولدار سوتی کپڑے، یا اس قسم کے دوسرے کپڑے جن میں اون کا کوئی جز شامل ہو، انگلستان میں ان کا استعمال لباس کی شکل میں، خواہ آرائشی سامان کی شکل میں قطعاً ممنوع قرار دیئے گئے۔"

ڈاکٹر اینی بسنٹ (Dr. Annie Beasent) نے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ :-

"پہلے ہندوستان کا دیسی مال انگلستان کے بازاروں میں بھیجا جاتا تھا، اس کو جب لنکا شائر کی صنعت پر قربان کرنا چاہا۔ تو پارلیمنٹ کے قانون کے ذریعہ ہندوستان کی دیسی مصنوعات پر زبردست محصول عائد کیا گیا۔ اور ہندوستان کی سوتی اشیاء کی درآمد کو واجب التعزیر قرار دیا گیا، اور اُس شخص کے لیے سزا مقرر کی گئی۔ جو اس مال کو انگلستان میں لائے، یا خریدے، اس طرح لنکا شائر کی صنعت محفوظ اور ہندوستان کی تجارت برباد ہو گئی۔"

مسٹر ایچ۔ ایچ۔ ولسن (Mr. H. H. Wilson) نے تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ :-

"..... ضروری معلوم ہوا کہ یا تو ہندوستان کے مال پر ان کی قیمت کے لحاظ سے ۷۰ — ۹۰ فی صدی محصول لگایا جائے، یا قانوناً انکی درآمد روک دی جائے، اگر ایسا نہ کیا جاتا تو پینسلی اور منچسٹر میں کپڑے کی ملیں شروع ہی میں بند ہو جاتیں۔"

سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) ممبر پارلیمنٹ نے اپنی کتاب پراسپرس برٹش انڈیا میں ڈاکٹر وزری کی ایک شہادت نقل کی ہے کہ :-

"ہندوستان کے ریشمی کپڑوں کو ۱۸۱۲ء سے ۱۸۲۱ء تک باہر بھیجنے کی قطعی ممانعت رہی، زربفت کو بھی اتنی ہی مدت تک باہر بھیجنے سے روک دیا گیا۔ جب دنیا ہندوستان کی صنعت کو بھول چکی تو ۱۸۳۲ء میں ریشمی کپڑوں اور زربفت کو باہر بھیجنے کی اجازت دی گئی۔ لیکن زربفت پر تینتیس ۳۳ فی صدی اور ریشمی کپڑوں پر چالیس فی صدی محصول لگا دیا گیا۔"

۱۸۱۲ء والی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ سے بھی ان واقعات کی تصدیق ہوتی ہے۔

انگریز اپنے ملک کی مصنوعات کو ترقی دینے اور ہندوستانی تجارت کو تباہ کرنے کے لئے سب کچھ کر سکتا ہے اور کرتا ہے، بھاری بھاری محصول لگایا جائے، ہندوستانی مال کا جانا بند کر دیا جائے، ہندوستانی مال کے بیچنے والے اور خریدنے والے کو واجب التعزیر قرار دیا جائے۔

یہ سب جائز، لیکن اگر ہندوستانی محض اپنی تجارت کو ترقی دینے کی خاطر ولایتی مال کے مقاطعہ کا پروپگنڈا کرے، تقریر یا تحریر کے ذریعہ ہندوستانیوں سے اپیل کرے کہ ہندوستانی کپڑا خریدیں اور ولایتی مال نہ خریدیں یا ولایتی چیزوں کی دوکان پر پہرہ لگائے ہیں، تو یہ جرم ہے، اور جیل خانہ، لاٹھی اور گولی کی سزا کا مستحق ہے۔
یہی ہے آزاد تجارت کا اصول، جس کو ہر انگریز بڑے خوبصورت الفاظ میں بیان کرتا ہے، اور دلائل دیکر ثابت کرتا ہے کہ بغیر آزاد تجارت کا اصول عمل میں لائے ہوئے دنیا کے امن و امان کی کوئی شکل نہیں، اگر آزاد تجارت کے اصول پر عمل نہ کیا گیا تو ملک کے ملک تباہ و برباد ہو جائیں گے، ان سارے اصولوں کا مطلب صرف یہ ہے کہ انگلینڈ کو ہر ملک میں تجارت کرنے کا موقع حاصل ہو، اور اس میں کوئی رکاوٹ نہ پیدا کی جائے، لیکن انگلینڈ میں دوسرے ملک کا مال جاکر فروخت نہ ہو، انگلینڈ کی مصنوعات پر کوئی دوسرا ملک محصول نہ لگائے، اور نہ اسکی درآمد کو بند کرے، لیکن انگلینڈ اپنے یہاں دوسرے ملک کی مصنوعات پر جتنا جی چاہے محصول

لگائے اور جب چاہے اس کی درآمد کو روک دے۔

غرض اندرونِ ملک میں صناعوں پر مذکورہ بالا بے پناہ مظالم یعنی جبراً زیادہ قیمت لینا اور کم قیمت دینا، کاریگروں کا مال ضبط کرکے نیلام کرا دینا، انہیں قید، جرمانہ، کوڑا اور انگوٹھا کاٹ لینے کی سزا دینا۔ اور بیرونِ ملک یعنی ہندوستانی مال پر ولایت میں بے پناہ محصول لگانا، یا ہندوستانی مال کی درآمد کو ایک عرصہ کے لئے قطعاً روک دینا۔ ان حالات کا نتیجہ ظاہر ہے کہ ہندوستان کی صنعتیں ختم ہوگئیں اور ہندوستانی مال کی درآمد گویا بند ہوگئی۔

ذیل میں چند نقشے دئے جاتے ہیں جن سے معلوم ہوگا کہ کس طرح انگریزوں کی چیرہ دستیوں کی بدولت ہندوستانی کپڑے کی درآمد کم ہوتی گئی۔

ہندوستانی کپڑا انگلستان گیا

سنہ	ہندوستانی کپڑے کی قیمت جو انگلستان گیا۔		
	پونڈ		روپیہ
سنہ ۱۷۹۳ء	۳۲۴۵۷۴۵ =	لاکھ پونڈ	۵-۶۸۶۱۷۵
سنہ ۱۷۹۸ء	۱۶۹۷۳۴۵ =	″	۲۶۹۱۰۱۷۵
سنہ ۱۸۰۵ء	۹۷۸۳۱۶ =	″	۱۳۶۷۴۷۵۵
سنہ ۱۸۱۰ء	۱۸۱۲۷۳ =	″	۲۷۱۹۰۹۵

اس نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ سترہ برس کے قلیل عرصہ میں ہندوستان کی برآمد کے اندر (۳۰۶۴۴۷۲) لاکھ پونڈ تقریباً چار پینسٹھ لاکھ روپیہ) کی کمی ہوگی

ہندوستان کا کپڑا انگلستان میں

سنہ	ہندوستانی کپڑے کے تھانوں کی تعداد جو انگلستان گئے
سنہ ۱۸۱۴ء	۵۳۴۴۵۹۰ = لاکھ تھان
سنہ ۱۸۲۱ء	۱۲۶۶۶۰۸ = 〃 〃
سنہ ۱۸۲۸ء	۴۲۲۵۰۴ = 〃 〃
سنہ ۱۸۳۵ء	۳۶۶۰۸۶ = 〃 〃
سنہ ۱۸۴۳ء	۱۸۱۲۲۴ = 〃 〃
سنہ ۱۸۴۹ء	۳۶۱۵۱ = ہزار تھان

اس نقشے کے مطالعہ کے بعد کوئی ہندوستانی آنسو بہائے بغیر نہیں رہ سکتا جس کا خلاصہ یہ ہے کہ صرف پچیس ۲۵ برس کے عرصہ میں

ہندوستانی کپڑے کی برآمد میں (۵۳۰۸۴۳۹) لاکھ تھان
کی کمی ہوگئی، اور تقریباً چوّن لاکھ تھان کے بجائے صرف چند
ہزار تھان باہر گئے۔ اور یہ کمی ۱۸۱۴ء کی برآمد کے مقابلہ میں ہے،
جبکہ بہت سے کپڑے کی برآمد ممنوع تھی، اور مختلف کپڑوں کی
نکاسی محصول کی زیادتی کی وجہ سے بند ہوچکی تھی، ورنہ اگر کچھ
زمانہ پہلے کی برآمد کے اعداد وشمار ملیں تو ان کے مقابلہ میں
یہ کمی بہت زیادہ معلوم ہوگی۔

ہندوستان کی ریشمی مصنوعات دوسرے ملکوں میں

سال	ریشمی مصنوعات کی قیمت جو باہر گئیں۔
سنہ ۱۸۹۵ء	۱۹½ لاکھ روپے
سنہ ۱۹۰۰ء	۱۲½ " "
سنہ ۱۹۰۵ء	۷½ " "
سنہ ۱۹۰۷ء	۶½ " "

سنہ ۱۹۰۷ء میں ۳ ۱/۲ لاکھ روپے کا مال تو انگلستان گیا اور تقریباً ۸۰ ہزار روپیہ کا فرانس گیا اور باقی عرب، ٹرکی، شمالی افریقہ اور آسٹریلیا کے خرچ میں آیا۔

اِس نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ بارہ سال میں ریشمی مصنوعات کی قیمت برآمد میں تیرہ لاکھ کی کمی ہوئی۔ یعنی ہر سال ایک لاکھ سے بھی زیادہ کی کمی کا اوسط رہا، اور یہ بھی یاد رہے کہ یہ اعداد وشمار اُس وقت کے ہیں جبکہ ایک عرصہ تک ریشمی مال کی برآمد کو قطعی ممنوع قرار دیکر اس صنعت کو تقریباً ختم کیا جاچکا تھا اُسلئے مذکورہ بالا برآمد سے اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ کہ پہلے ریشمی مال کی برآمد کا کیا عالم ہوگا، اور کتنی زیادہ مقدار میں برآمد ہوتا ہوگا؟

ہندوستان کے اونی قالین اور شطرنجیاں دوسرے ملکوں میں

سال	قیمت برآمد	خاص انگلستان کی خرید
سنہ ۱۹۰۰ء	۲۳ ۳/۴ لاکھ روپے	۱۷ ۱/۴ لاکھ روپے
سنہ ۱۹۰۳ء	۳۶ - " "	۱۹ ۱/۲ " "
سنہ ۱۹۰۶ء	۳۰ لاکھ ۹۰ ہزار روپے	۱۵ لاکھ ۳۶ ہزار روپے

اس نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۹۰۳ء کی برآمد کو ملحوظ رکھتے ہوئے صرف تین برس کے عرصہ میں برآمد کی قیمت میں پانچ لاکھ دس ہزار روپے کی کمی ہوئی۔ یعنی کمی کا اوسط سالانہ ایک لاکھ ستر ہزار رہا۔

صنعت جہاز سازی کی تباہی

گذشتہ کسی باب میں ہندوستان کی صنعت جہاز سازی و جہاز رانی پر گفتگو کیجا چکی ہے، اور یہ تبلایا جاچکا ہے کہ انگریزوں کے اثر و اقتدار سے پہلے اور خود انگریزوں کے ابتدائی زمانہ میں ہندوستان اس مخصوص صنعت کے لحاظ سے کس مقام پر تھا؟ اور کس درجہ ترقی کرچکا تھا؟ یہ بھی تبلایا جاچکا ہے کہ اُس زمانہ میں ہندوستانی جہاز یورپ کے جہازوں سے بہت سستے اور کہیں زیادہ مضبوط اور دیرپا ہوا کرتے تھے۔ ہندوستان کی صنعت جہاز سازی کی تاریخ پر اگر سرسری نگاہ بھی ڈالی جائے تو یہ صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ زمانہ قدیم میں اس صنعت کی ترقی

کا جو عالم تھا، اگر کچھ دنوں بھی اس کی سرپرستی کیجاتی، اور حکومت کی ہمدردی اس کے ساتھ ہوتی، تو یقیناً جہاز سازی میں ہندوستان یورپ سے کہیں آگے ہوتا، اور ہندوستانی جہاز کے بڑے دنیا کے اندر اپنی نظیر آپ ہوتے، لیکن افسوس کہ یہ صنعت بھی انگریزوں کی نگاہ میں نہ بھا سکی اور اس کو بھی انگلستان کے مظالم کا شکار ہونا پڑا۔ شاید انگریزوں کا تخیل یہ رہا کہ اگر جہاز سازی اور جہازرانی کا فن ہندوستان میں باقی رہا تو پھر ہندوستان کی تجارتی اور فوجی پوزیشن مضبوط رہے گی۔ اور انگریز تو خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی تجارتی اور فوجی صلاحیت وقوت کے شدید ترین دشمن ہیں، اگر یہ دو قوتیں ہندوستان کو حاصل ہو جائیں تو شاید انگریزوں کی حکومت ہندوستان میں چند گھنٹے بھی نہ رہ سکے، انہی وجوہ کی بنا پر اونہوں نے خصوصیت کے ساتھ ہندوستان کی صنعت جہاز سازی اور فن جہاز رانی کو ختم کر دیا۔

مسٹر ٹیلر (Mr Taylor) نے تاریخ ہند میں لکھا ہے کہ:۔

"جب ہندوستان کا مال تجارت ہندوستان کے بنے ہوئے جہازوں میں لندن کے بندرگاہ پر پہنچا تو وہاں کے کارخانہ داروں پر اس قدر دہشت طاری ہوئی کہ گویا کسی رقیب سلطنت نے انگلینڈ پر دھاوا کر دیا۔ بندرگاہ لندن کے تمام جہاز بنانے والوں نے چیخ چیخ کر آسمان سر پر اُٹھا لیا، اور پکار کر کہہ دیا کہ ان کا کاروبار بالکل تباہ ہو جائیگا۔ اور انگلینڈ کے جہاز بنانے والوں کے بال بچے یقیناً بھوکوں مر جائیں گے۔"

کیا اسی قسم کی چیخ و پکار ہندوستانیوں نے اُس وقت کی ہو گی؛ جب انگلستان کے بنے ہوئے جہازوں پر ولایتی مال ہندوستان آیا ہو گا؟ کی اور ضرور کی! لیکن فرق یہ ہوا کہ انگریزوں کی چیخ و پکار نے اثر کیا، اور کمپنی نے حکم دیدیا کہ ہندوستانی جہازوں سے کام نہ لیا جائے، اور وہ لندن کے بندرگاہ میں نہ آئیں، بلکہ ہندوستانی جہازراں ملازم بھی نہ رکھے جائیں۔ اور ہندوستان کی صنعت جہاز سازی کو ختم کر دیا گیا۔ لیکن ہندوستانیوں کی چیخ و پکار بے اثر رہی، کیونکہ ہندوستان اپنی حکومت کھو چکا تھا۔ دوسرا

ملک ہندوستان پر حکومت کر رہا تھا، اور اس کے دل میں ہندوستان کی کوئی ہمدردی نہ تھی۔

ہندوستان کی صنعت جہاز سازی اور جہاز رانی کی تباہی کی ایک اہم وجہ عام ہندوستانی تجارت کا زوال بھی ہے، عام طریقہ پر ہندوستانی جہاز تجارتی مال ہی کی نقل وحرکت میں کام آیا کرتے تھے۔ اور ہندوستانی مال ہی کی ترقی پذیر برآمد سے ہندوستان میں صنعت جہاز سازی بڑھ رہی تھی، اور فن جہاز رانی میں بھی لوگ کمال پیدا کر رہے تھے۔ لیکن جب ہندوستان کی تجارت ہی ختم ہوگئی، تو اُن جہازوں کا مصرف کیا ہوتا؟ اور صنعت جہاز سازی کس اُمید پر ترقی کرتی؟ اس بالواسطہ حملہ نے بھی اس کامیاب صنعت کو ہندوستان سے ختم کردیا۔

انگریزوں نے نہ صرف یہ کہ ہندوستان سے صنعت جہاز سازی کو تباہ کردیا۔ بلکہ اس کو بھی گوارہ نہ کیا کہ کوئی ہندوستانی جہاز چلانا جان لے۔ یا کسی جہاز پر ملازم ہی کی حیثیت سے کام کرے۔ سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) نے اپنی

کتاب پراسپرس برٹش انڈیا میں، ایسٹ انڈیا کمپنی کے کورٹ آف ڈائرکٹرس کا ایک خط نقل کیا ہے۔ جو ایسٹ انڈیا ہوس سے ۲۷ جنوری ۱۸۰۱ء کو لکھا گیا۔ اس خط میں کورٹ آف ڈائرکٹرس نے ہندوستانی جہازوں کو انگلستان اور ہندوستان کے درمیان تجارت پر لگانے کی مخالفت کرتے ہوئے، اور ہندوستان میں جہاز بنانے اور ہندوستانیوں کو جہازرانی پر ملازم رکھنے کے خلاف وجوہات بیان کرتے ہوئے ایسی ایسی دلیلیں دی ہیں کہ جن کو پڑھ کر سخت حیرت ہوتی ہے۔ وہ خط یہ ہے:۔

"علاوہ اُن اعتراضات کے جو بالعموم اِس تجویز کے خلاف اُٹھائے جا سکتے ہیں ایک اعتراض خصوصاً ان جہازوں کے خلاف، جو ہندوستان سے روانہ ہوئے ہیں، یہ ہے کہ ان میں لشکری یا . . . . ملاح زیادہ تر ہندوستانی ہوتے ہیں، اس قوم کے لوگ بلحاظ جسمانی طاقت کے سرد اور طوفانی سمندروں میں جہازرانی کے لائق نہیں، اُن کی فطرت اور عادت گرم آب وہوا کے مناسب حال ہے، اور وہ صرف چھوٹے چھوٹے سفر

ہی کر سکتے ہیں جو مقررہ ہواؤں کے رُخ پر گئے جاتے ہیں۔ ہندوستان
اور یورپ کے درمیان خصوصاً جب جاڑے میں ہمارے شمالی سمندر
طوفانی ہو جاتے ہیں، لمبے سفر کی سختیاں برداشت کرنے کی ان میں
طاقت نہیں پائی جاتی، نہ ہی اُن میں جرأت ہوتی ہے کہ دشمن کا مقابلہ
کر سکیں۔ اس لئے اس ملک کی تجارت اور مال کا زیادہ تر انحصار
ایسے لوگوں پر کرنا سوائے ہندوستانی ساحل کے جہاں اُنہیں زیادہ
خطرہ نہیں نہایت نامناسب ہے۔ ایک بات ضرور ہے کہ جہازوں
میں ہندوستانی ملازم رکھنے میں کفایت ضرور ہوتی ہے، اور اگر ان کے
بجائے یوروپین رکھے جائیں تو ان کی بڑی تنخواہ اور دیگر اخراجات
کی وجہ سے جہازوں کا خرچ زیادہ بڑھ جائیگا۔ مگر ہندوستانی
ملازم کے رکھنے میں جو اکثر مسلمان ہوتے ہیں، ایک بڑا بھاری نقص
یہ بھی ہے کہ جب وہ ہمارے ساحلوں پر اُترتے ہیں، تو ایسے
لوگوں سے ملتے ہیں جو ہماری "قومی عزت" کے لئے ننگ کا موجب
ہیں، اور جو اعلیٰ خیال ہندوستانیوں کو ہندوستان میں ہمارے
کیرکٹر کی نسبت ہوتا ہے وہ یہاں آکر بدل جاتا ہے، اور اُنکے

دل سے ہماری عزت اور دہشت دُور ہوجاتی ہے، اُن کی نقدی کوئی چرُا لیتا ہے تو وہ بھوکے اور ننگے گلیوں میں مارے مارے پھرتے ہیں اُن کو دیکھ کر پبلک کے دل میں غصہ اور رحم بھرتا ہے، رحم تو اُن کی بے بسی پر آتا ہے اور غصہ کمپنی کے افسروں پر آجاتا ہے جو اُنہیں یہاں بھیجتے ہیں؛ کمپنی کو اُنہیں جمع کر کے کھلاتے اور واپس بھیجنے میں بڑی تکلیف اور اور زیر باری ہوتی ہے، اُن کو یہاں ایسی بُری عادات پڑجاتی ہیں کہ وہ مکانوں سے نکل بھاگتے ہیں جہاں کسی نے ان کو آرام سے رکھا ہو۔ باہر نکل کر وہ خیرات مانگ کر، بدمعاشی کرتے لگ جاتے ہیں اور ان ہی میں سے اکثر سردی کی تاب نہ لا کر مر بھی جاتے ہیں اور بعض بالکل نکمے ہوجاتے ہیں۔

امریکہ اور دیگر ممالک میں جہاں ان کی اتنی بھی خبرگیری نہیں ہوتی ہے، ان کی حالت اور بھی ناگفتہ بہ ہوجاتی ہے، اس لیے اس کمزور قوم کو مغربی ممالک میں لانے کے بجائے یہ تجویز ہونی چاہیے کہ وہ ایسے سمندروں سے باہر نہ جائیں، تاکہ ایسا نہ ہو کہ تکان، آب وہوا اور بیماریوں کی وجہ سے وہ بالکل ہی غارت ہوجائیں۔

علاوہ اِس کے جب وہ واپس جاتے ہیں تو ایسی بُری باتیں ہماری نسبت اپنے بھائیوں میں مشہور کرتے ہیں جو ایشیائی رعایا کے دلوں پر نہایت بُرا اثر کرتی ہیں - اور ہمارے کیرکٹر کی نسبت اُنکو خیالات تبدیل کر دیتی ہیں، حالانکہ ایشیا میں ہمارا اعلیٰ کیرکٹر ہمارے اقتدار کا موجب ہوا ہے اور اس وجہ سے لوگ ہماری نسبت اچھے خیالات رکھتے ہیں جن کے تبدیل ہو جانے کا بڑا بھاری اندیشہ ہے، اور ایک دفعہ یہ جادو ٹوٹ گیا تو پھر ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں،

ملاحوں کی اس جماعت کو ملازم رکھنے کی وجہ سے جو نقصان جان اور دیگر نقصانات پیدا ہونگے، ان کے لحاظ سے شاید یہ ضروری ہوگا کہ یوروپین جہازی ملازم رکھے جائیں، اور کوئی شبہ نہیں کہ وہ جوق درجوق ہندوستان میں جائیں گے، اور وہاں ایک نئی آبادی بنجائیگی - مگر یہ بھی ضروری ہوگا کہ امن کے زمانہ میں ان کے بجائے ہندوستانی جہازی رکھنے پڑیں - جن کو سوداگروں کی ملازمت کی حاجت ہوگی اور کوئی انگریز اس دل گردہ کا نہ پایا جائیگا جس کی یہ خواہش نہ ہوگی کہ اس کے ہم وطنوں کے لئے جنھوں نے ملک کی ایسی قابل قدر

جنگی خدمات انجام دی ہیں، گذارہ کی سبیل نہ نکالی جائے، اور ہندوستانی
آدمی ہمارے جہازوں میں نوکر رکھے جائیں، اس لئے بہ لحاظ جسمانی۔
اخلاقی۔ تجارتی اور پولیٹیکل خیالات کے ہندوستانیوں کی بڑی تعداد
انگریزی جہازوں میں رکھنا سخت قابل اعتراض ہے اور اس جہاز کو
مطلق کوئی رعایت نہیں دینی چاہیے جس میں ہندوستانی ملاح ہوں۔"

اسی قسم کے احکام اور مخالفانہ تدبیروں کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہندوستان
سے صنعت جہاز سازی و جہاز رانی تقریباً ختم ہو گئی۔ اس صنعت
کی تباہی کے بعد کا منظر سر ولیم ڈگبی (Sir William
Digby) کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:۔

"جہازوں میں ہندوستانیوں کے لئے کوئی کام نہیں، سوائے اس کے کہ
وہ کہیں کہیں بطور کلرک یا مزدوروں کے مقرر ہیں، اور بعض دیسی
جہازوں میں ملاح ہیں، جہاز بھی معدودے چند کے سب کے سب
غیر ممالک کی ساخت کے ہیں (اور جو دیسی ہیں بھی وہ دوسروں کی
ملکیت ہیں) اور صرف جزیرہ نما شرقی اور برٹش انڈیا کمپنیوں میں
لشکری معمولی ملاحوں کی حیثیت سے مقرر ہیں۔ اس کے علاوہ اور

کہیں دیسیوں کا کوئی دخل نہیں ہے۔ سب کے سب یوروپین ہاتھوں میں ہیں۔ سنہ ۱۸۹۰ء میں کل جہاز (۹۱۱۵۶۳۶) ٹن تھے، ان میں سے صرف (۱۳۳۰۳۳) ٹن ہندوستانی تھے، لیکن ۴۰ سال پہلے ہندوستانی سمندروں میں ہندوستانی جہاز ایک تہائی تھے"۔

کچّے مال کی تجارت کی بربادی

کچے مال کی تجارت پر بھی پہلے کسی باب میں روشنی ڈالی گئی ہے کہ کچے مال کی تجارت ہندوستان کی کامیاب تجارت تھی، مثلاً گرم مصالحہ ہینگ، الائچی، چائے، مکھن وغیرہ ہندوستان سے دوسرے ملکوں اور خاص کر انگلستان کو بہت کافی مقدار میں جایا کرتا تھا اور اس سے لاکھوں ہندوستانی خاندان اپنی روٹی پیدا کرتے تھے۔ لیکن کپڑے کی طرح کچے مال پر بھی انگریزوں نے بھاری محصول لگا کر، اس تجارت کو بھی فنا کے گھاٹ اُتار دیا۔ باوجودیکہ کچے مال پر اصولاً محصول بہت کم ہونا چاہیے۔ اور اس کی نقل و حرکت میں انتہائی سہولت ہونی چاہیے۔ جیسا کہ آج بھی ہر جگہ ہو رہا ہے،

لیکن مقصد تو یہ تھا کہ جس طرح ممکن ہو ہندوستان کو مفلس بنایا جائے، ہر اس چیز کو جو ہندوستان سے باہر جاتی ہے، بند کر دیا جائے، تاکہ ہندوستانی صنعتیں اور تجارتیں ختم ہو جائیں، اور اور انگلستان تنہا ہندوستانی ضروریات کا اجارہ دار بن جائے۔ سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) ممبر پارلیمنٹ نے مسٹر ریکرڈز کی ایک شہادت نقل کی ہے، جو ذیل میں درج کی جاتی ہے:-

"ہندوستان کی بہت سی اشیاء پر بغیر کسی مقررہ اصول کو مدنظر رکھے اور بغیر بازاری نرخ کو ملحوظ رکھے، محصول نہایت ہی سخت لگایا گیا مثلاً:-

مصبر"	پر محصول	(۷۰)	سے	(۲۸۰)	فی صدی	تک
ہینگ"	"	"	(۲۳۳)	" (۶۲۲)	"	"
الائچی"	"	"	(۱۵۰)	" (۲۶۶)	"	"
کافی"	"	"	(۲۶۶)	" (۴۰۰)	"	"
کھانڈ"	"	"	(۹۴)	" (۳۹۳)	"	"
چائے"	"	"	(۶)	" (۱۰۰)	"	"

لیکن انگریزی اشیا جو ہندوستان جاتی ہیں، ان پر محصول بالکل معاف ہے اور صرف کپڑے پر ڈھائی فی صدی ہے' ان دونوں باتوں کا مقابلہ کیا جائے تو اس مسئلہ کی اصلی کیفیت ذہن میں آجاتی ہے۔"

سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) نے ایک دوسری جگہ مسٹر ریکرڈ زہی کی ایک اور شہادت نقل کی ہے جس سے سنہ ۱۸۱۳ء کے ان محصولوں کا پتہ چلتا ہے، جو انگلستان میں ہندوستان کچے مال پر لگائے گئے۔ جس کی تفصیل حسب ذیل نقشہ سے معلوم ہوگی:-

نام	قیمتی ۱۰۰ پونڈ پر	محصول جو انگلستان میں لگایا گیا۔						
		پونڈ	شلنگ	پنس	روپیہ	آنہ	پائی	کیفیت
روغنی برتن	″	۸۱	۲	۱۱	۱۲۱۸	۳		
چٹائیاں	″	۸۴	۶	۳	۱۲۶۰	۱۱		
سونف کا تیل	″	۸۴	۶	۳	۱۲۶۷	۱۱		
گری کا تیل	فی ٹن پر	۸۴	۸	۳	۱۲۷۰	۳		
چائے	قیمتی ایک سو پونڈ	۹۶	۰	۰	۱۴۴۰			سنہ ۱۸۱۴ء میں

اور ۱۸۱۲ئہ والی تحقیقاتی کمیٹی کی رپورٹ کے مطابق شکر پر تخمیناً ۸ پونڈ فی من محصول تھا۔

مذکورہ بالا دونوں شہادتوں میں جو اعداد و شمار پیش کیے گئے ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سَو روپیہ کے ہندوستانی مال پر انگلستان میں چھ سو بائیس روپیہ تک محصول لگایا گیا۔ اس طرح جب ایک مال کی قیمت ایک سو روپیہ کے بجائے سات سو بائیس کر دی گئی تو اس کے فروخت ہونے کی اور بازار میں دوسرے مالوں کا مقابلہ کرنے کی کیا شکل ہو سکتی ہے، اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ ان محصولوں کا مقصد صرف یہ تھا کہ ہندوستانی مال کا باہر جانا بند ہو جائے، اور یہی ہو کر رہا۔

ہندوستان کی صنعت و تجارت کی تباہی کی ذمہ داری

تنہا انگریزوں پر ہے

مذکورہ بالا ابواب سے یہ واضح ہو گیا ہو گا کہ ہندوستانی صنعت و

تجارت کس قدر ترقی یافتہ تھی، اگر ہندوستان کو اپنی صنعت و تجارت کے باقی رکھنے اور اس کو ترقی دینے کا موقع دیا جاتا تو آج وہ کس پیمانہ پر ہوتی؟ لیکن اس کو کس بُری طرح تباہ و برباد کیا گیا، جسکے بُرے اثرات اور تلخ نتائج آج ہر ایک ہندوستانی محسوس کر رہا ہے، بہت سے انگریز مصنفین اِس تباہی و بربادی پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں، اور انگلستان کے باشندوں، ایسٹ انڈیا کمپنی، اور برطانوی حکومت کو اس سلسلہ میں بے گناہ ثابت کرنے کی ناکام سعی کرتے ہیں، اسی سلسلہ میں بہت سے انگریز مصنفین نے مسلمان بادشاہوں کو مورد الزام قرار دینا چاہا ہے کہ انہی زمانہ سے ہندوستان کی صنعت و تجارت زوال پذیر تھی۔ لیکن ان ساری کوششوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ اپنے مظالم اور عیوب پر پردہ ڈالا جائے، اور اپنا جرم دوسروں کے سر تھوپا جائے، تاکہ ہندوستانیوں میں ان حقائق کو معلوم کر کے بدظنی نہ پیدا ہو، اور اس طرح انگریزوں کے سیاسی اور تجارتی اقتدار میں فرق نہ آئے اور ہندوستانی انگریزوں کی حکومت کو رحمت الٰہی سمجھ کر، اُس کے باقی رکھنے کی سعی کرتے رہیں،

اور انگلستان کی غلامی پر قناعت اور بھروسہ کریں۔

لیکن مجکو یقین ہے کہ مذکورۂ بالا ابواب کے مطالعہ کے بعد، جو انگریزوں ہی کی شہادتوں سے قلمبند کیۓ گئے ہیں، کسی کو اس میں شبہ نہ رہیگا کہ ہندوستان کی صنعت و تجارت کی تباہی کی ذمہ داری تنہا انگریزوں پر ہے، اور اس میں کوئی ان کا شریک و سہیم نہیں، اور بہت سے ذمہ دار انگریزوں نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا ہے۔

لارڈ میکالے (Lord Macaulay) نے ایسٹ انڈیا کمپنی کی غارت گری اور اس کے تجارتی مظالم کا ذکر کرتے ہوۓ لکھا ہے کہ:۔

"اس طریقہ سے (یعنی جبراً قیمت کم دینا، اور زیادہ قیمت لینا وغیرہ) بے شمار دولت بہت جلد کلکتہ میں کمپنی کے خزانہ میں جمع ہوگئی، دراںحالیکہ تین کروڑ انسان حد درجہ برباد کرڈالے گئے۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی نے اپنے تقریباً ڈھائی سو سال کے طویل زمانہ میں جو تجارتی مظالم کیۓ اور ان کا جو انجام ہوا وہ بھی ایک انگریز ہی کی زبان سے سُن لیجیۓ:۔

مسٹر براکل ہرسٹ (Mr. Broket Hurst)
کہتے ہیں کہ :-

" ۱۸۵۸ء میں جبکہ ہندوستان کمپنی سے منتقل ہو کر براہ راست برٹش گورنمنٹ کے انتظام میں پہنچا تو پارچہ بافی کی صنعت برباد ہو چکی تھی "

اسی طرح مسٹر ٹریولیین (Mr. Trebelvanyan)
نے ۱۸۴۱ء میں انگلستان کی ایک کمیٹی کے سامنے بیان دیتے ہوئے اس کا اقرار کیا کہ :-

" ہم نے ہندوستان کی صنعت و حرفت پر جھاڑو پھیر دی "

ایک مشہور سویلین " سر جان شور " (Sir Johnshore)
ریگولیشن (قانون) بابت ۱۸۳۳ء پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے :-

" برطانیہ نے جو طرز حکومت قائم کیا ہے، اس کے ماتحت ملک اور باشندگان ملک رفتہ رفتہ محتاج ہوتے جاتے ہیں، اور یہی سبب ہے کہ ان پرانے تاجروں پر جلد تباہی آ گئی "

لارڈ کارنوالس (Lord Cornwallis)

نے ۱۸۰۹ء میں ہی ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارتی مظالم اور اور ہندوستانی صنعت کی بربادی کو محسوس کر کے کہا تھا کہ :۔

"جو کثیر دولت ایسٹ انڈیا کمپنی کھینچ کر لیجاتی ہے، اس کے علاوہ نمک کی کمائی سے جو روپیہ وصول کیا جاتا ہے، اس کا اثر شدت کے ساتھ اس ملک کی زراعت اور تجارت پر یہ پڑا کہ یہ دونوں چیزیں گرتی جارہی ہیں۔"

ہندوستان کی مشہور شخصیت دادابھائی نوروجی نے کنگٹن میں تقریر کرتے ہوئے کہا تھا کہ :۔

"کہا جاتا ہے کہ ہندوستان زراعت سے زیادہ صنعت وحرفت پر توجہ کرے، لیکن شاید یہ امر فراموش کر دیا جاتا ہے کہ انگریزی پالیسی نے ہندوستانی صنعتوں کا جنازہ نکال دیا ہے، پہلے ہندوستان اپنی صنعتوں کے لئے شہرۂ آفاق تھا۔ لیکن برطانیہ نے اُن کا خون چوس لیا۔ اب وہ صنعتی کاروبار کرنے سے مجبور ہو گئے۔ کیونکہ اب وہ ان ذرائع سے محروم ہیں، جن کے ذریعہ وہ صنعت وحرفت کو قائم و جاری رکھ سکیں۔"

سر ولیم ہنٹ (Sir William Hunt-) جو حالات ہند کے بڑے محقق مانے جاتے ہیں، اُنہوں نے لکھا ہے کہ:-

"گذشتہ صدی میں بہت سے مخالف حالات نے سازش کر کے ہندوستان کی صنعتوں کو صدمہ پہنچایا۔ اول تو انگلستان نے نہ صرف ہندوستانی کپڑے پر بھاری محصول لگایا بلکہ اس کی قطعی ممانعت کر دی، دوسرے لنکاشائر میں کلوں کے طفیل بہت ارزاں کپڑا تیار ہونا شروع ہو گیا۔ تیسرے امریکی جنگ کے زمانہ میں روئی کی قیمت از حد بڑھ گئی، کاشتکاروں کو تھوڑا بہت فائدہ ضرور ہوا۔ لیکن دیسی کپڑے کا کاروبار بالکل بیٹھ گیا۔ اس پر طرہ یہ ہوا کہ اِدھر تو شاہی دربار اجڑنے سے ہندوستانی صناعوں کا روزگار مارا گیا۔ اُدھر انگلستان میں بڑی بڑی رقموں سے بڑے بڑے کارخانے کھولے گئے، جہاں انجن اور کلوں سے کام ہونے لگا، بھلا ہندوستان کا غریب دستکار کیا مقابلے کی تاب لا سکتا؟ کچھ وقت ہی ایسا آپڑا کہ ہندوستان کے کپڑا بننے والوں نے مجبور ہو کر کرگھہ چھوڑ ہل سنبھالا، اور بہت سی دستکاریاں پامال ہو کر رہ گئیں۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹرز انگلستان سے حکم لکھ بھیجتے تھے کہ:-

"جس طرح ہو سکے ہندوستان میں مصنوعات کو روکو، اور سامان خام کی پیداوار کو بڑھاؤ۔ تاکہ ہندوستان کا سامان انگلستان کی مصنوعات میں کام آئے، اور پھر ہندوستان اُن مصنوعات کو خریدے"۔ غرض وہی ہوا جو کمپنی نے چاہا، اور ہندوستان کی صنعت و تجارت کو ظلم اور جبر سے انگلستان پر قربان کر دیا گیا۔

تجارت کے ذریعہ انگریزوں کی لُوٹ ہندوستان میں

گذشتہ ابواب کا تعلق تو ہندوستان کی صنعت و حرفت کی بربادی سے تھا۔ لیکن اصل اور سرمایہ، جو ہر کاروبار اور تجارت و صنعت کی جان ہے، وہ بھی انگلستان نے ہندوستان کے پاس نہ چھوڑا۔ آج جبکہ ہندوستانی کچھ کاروبار کر سکتے ہیں، اور زمانہ کے انقلابات نے پہلے کی سی بندشیں باقی نہ رکھیں، اور ہندوستانی صنعت و تجارت کو وسعت دینے کی کچھ راہیں مل سکی ہیں، تو سب سے بڑی دقت سرمایہ کی ہو رہی ہے، موجودہ دُنیا میں کوئی بڑا کاروبار جس سے ملک کو فائدہ پہنچ سکے بغیر کافی سرمایہ کے چل نہیں سکتا، کپڑا، شکر۔

تیل، وغیرہ کے کارخانے کے لئے کافی روپے کی ضرورت ہے، ورنہ وہ دوسرے ملک کے کارخانوں کے مقابلہ میں چند دن بھی نہ چل سکیں، لیکن افسوس کہ وہ چیز جس کے ذریعہ آج ہم اپنی کھوئی ہوئی صنعت وتجارت کو حاصل کرنے کی دوبارہ کوشش کر سکتے ہیں، وہ بھی انگریزوں نے ہم سے چھین لی، جس کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم آج صنعت وتجارت کو فروغ دینا چاہتے ہیں۔ لیکن سرمایہ کی قلت سارے ارادوں پر پانی پھیر دیتی ہے، انگریزوں نے اگر یہاں کی صنعت وتجارت کو برباد کرکے ہندوستانی سرمایہ کو چھوڑ دیا ہوتا تو یہ بھی غنیمت تھا، لیکن انگریزوں نے یہاں کی دولت پر بھی بہت ہی بے دردی سے ایسا چھاپا مارا جسکی نظیر نہ گذشتہ تاریخ میں مل سکتی ہے، اور نہ رہتی دنیا تک مل سکے گی۔

سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) ممبر پارلیمنٹ نے اپنی کتاب پراسپرس برٹش انڈیا میں "انگریزوں کی ہندوستان میں تجارتی لوٹ" کی پالیسی پر حسب ذیل الفاظ میں اظہار خیال کیا ہے، سر موصوف فرماتے ہیں کہ :—

"جو کمی ۱۹۰۱ء میں ہمارے طریقہ حکومت ہند میں دکھائی دے رہی ہے،

جہانتک کہ ہندوستان کا تعلق ہے، اور جو کچھ غیر معمولی غربت ہندوستانی

براعظم میں پھیل رہی ہے، وہ ہماری اس طرز حکومت کا نتیجہ ہے، جو ٹیک نیتی

سے، مگر غلطی سے پہلے سے شروع کی گئی، اور اب تک بحال رکھی گئی ہو،

وہ اصول حکومت تین قسم کے ہیں:-

اوّل۔ تسلط بذریعہ تجارت۔

ہندوستان کی دولت علانیہ سمیٹنا ننگے طور سے سنہ ۱۶۰۰ء سے سنہ ۱۷۵۷ء تک

دوم۔ تسلط بذریعہ اطاعت بالجبر۔

ہندوستان انگلستان کیلئے ہے۔ آغاز سے انجام تک سنہ ۱۷۵۷ء سے سنہ ۱۸۳۲ء تک

سوم۔ تسلط بذریعہ پوست۔

خوش معاملگی کا دکھاوہ۔ اور زور کے ساتھ ہندوستانی قوم کو ادنیٰ حالت

میں لازمی طور پر قائم رکھنا۔ سنہ ۱۸۳۳ء سے سنہ ۱۹۰۱ء تک۔"

حقیقت یہ ہے کہ سر موصوف نے انگریزی حکومت کے اصول کی دکھتی

ہوئی رگ پکڑی ہے، انہی اصولوں کو ہندوستان کی حکمرانی میں

برابر ملحوظ رکھا گیا، اور انہی اصولوں کے ذریعہ ہندوستان کے سرمایہ

پر ڈاکہ ڈالا گیا۔

مسٹر برک (Mr Burk) نے ایک منتخب کمیٹی کی نویں رپورٹ میں جو ہندوستان میں انتظام اور انصاف پر غور کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی، حسب ذیل داستان بیان کی، جسکو سر ولیم ڈگبی نے پراسپرس برٹش انڈیا میں نقل کیا ہے:-

"وہ کون سے اصول تھے، جن پر ہماری حکومت ہندوستان میں شروع ہوئی؟ پہلے پہل تو درحقیقت کوئی اصول ہی نہ تھا۔ اُس وقت ہمیں پاؤں جمانے کی ضرورت تھی۔ اور ہمیں لوگوں (ہندوستانیوں) کے موجودہ یا آئندہ فوائد کا لحاظ کرنے کی مطلق فرصت نہ تھی۔ ۱۷۵۷ء سے اٹھارہویں صدی کے شروع تک ہمارا بڑا بھاری کام دولت بٹورنا تھا۔ جس طریقہ سے وہ دولت بٹوری جاتی تھی، وہ ایک جُدا اور غیر ضروری معاملہ تھا۔ ہم ہندوستان میں دولت پیدا کرنے آئے تھے، اور دولت پیدا کرنے کے لئے ایمانداری کے سایہ کو بھی پاس پھٹکنے نہ دیا گیا۔"

سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) نے لکھا ہے کہ:-

"ہم اتنا کہنے سے نہیں رک سکتے کہ کمپنی کے تمام ملازموں پر دولت بٹورنے کی بے اندازہ پیاس نے اس درجہ غلبہ پالیا کہ انہوں نے صوبہ کی گورنمنٹ کے ساتھ انصاف کرنے اور کمپنی کا قرض ادا کرنے کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اس میں شبہ نہیں کہ آج بھی ہندوستان اُس سے زیادہ شرمناک طریقہ پر لوٹا جارہا ہے جتنا کہ اس سے پہلے کبھی لوٹا گیا تھا۔ ہماری حکومت کا باریک جال ایک آہنی زنجیر بن گیا ہے۔"

سر موصوف نے بات تو صحیح لکھی، لیکن شاید اُن کو اس کا خیال نہ رہا کہ اُس زمانہ میں کمپنی کا سب سے بڑا کام بقول مسٹر برکؔ صرف دولت بٹورنا تھا، خواہ وہ جائز طریقہ سے ہو یا ناجائز طریقہ سے ہو۔ اور یہی کمپنی کا اہم ترین فریضہ تھا۔ اسلئے قرض کو نظر انداز کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا۔

ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں نے اپنی یادداشت بابت ۱۸۱۱ئہ میں اس کا اعتراف اِن لفظوں میں کیا کہ:-

"ہمارے خیال میں یہ بڑی دولت جو ہم نے ہندوستانی تجارت سے حاصل کی ہے ایک نہایت ہی ظالمانہ اور جابرانہ دستور العمل سے

مہیا ہوتی ہے۔ ایسا دستور العمل جس کی نظیر نہ کسی ملک میں ملتی ہے، نہ کسی زمانہ میں۔"

مسٹر میلکم (Mr Malcolm) نے لارڈ کلایو کی سوانح عمری میں ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائریکٹروں کی یادداشت بابت ۱۷۶۶ء سے نقل کیا ہے کہ:-

"ہمارے نزدیک اندروں ملک (ہندوستان) کی تجارت سے جو کثیر دولت حاصل کی گئی ہے، وہ انتہائی درجہ ظالمانہ اور جابرانہ طریقوں کے استعمال کا نتیجہ ہے۔ جس کی نظیر کسی ملک کے اندر کسی زمانہ میں نہیں ملیگی۔"

ایسٹ انڈیا کمپنی کو اِس قسم کی لوٹ جاری رکھنے کی ہدایت برابر انگلستان سے آتی رہتی تھی، چنانچہ لارڈ میکالے (Lord Macaulay) نے لکھا ہے کہ:-

"ایسٹ انڈیا کمپنی ایسے ڈائریکٹروں کے ہاتھ میں تھی، جنھوں نے "ہسٹنگز" (ایسٹ انڈیا کمپنی کا ایجنٹ) کو یہ ہدایت دیکر بھیجا تھا کہ نرمی سے حکومت کرو اور روپیہ بہت بھیجو۔ سختی سے انصاف کرو مگر روپیہ بہت بھیجو۔"

لارڈ سالسبری (Lord Salisbury) کی ہدایت یہ تھی کہ :-

"ہندوستان کی فصد تو ضرور کھولنی چاہیئے، مگر نشتر اُس جگہ مارو جہاں خون زیادہ ہو۔"

لارڈ موصوف کی اس ہدایت میں "نشتر" اور "خون" کے الفاظ صرف تشبیہ کے لئے استعمال نہیں کئے گئے، بلکہ یہ واقعہ ہے کہ انگریزوں نے ہندوستان کے جسم پر، ہر اُس جگہ گہرا ناسور بنایا، جہاں سے ان کو برابر دولت ملتی رہی، اور انہوں نے اس کا لحاظ بھی نہیں رکھا کہ ناسور ہندوستان کو ہلاک کر دیگا۔

لارڈ کلائیو (Lord Clive) نے بنگال کی لوٹ کے متعلق لکھا ہے کہ :-

"تین کروڑ انسانوں کو لوٹ کر کلکتہ میں عظیم الشان دولت بہت جلد جمع کر لی گئی، قدیم زمانوں میں معمولی الزام پر ہندوستانی ادنیٰ حاکموں کو برطرف کر دیا کرتے تھے، مگر انگریزی حکومت سنگدل سے سنگدل، وحشی اور مستبد حکومتوں کی طرح ظالم اور سخت تھی،" مزید براں

تمام تمدنی طاقتور ہتھیاروں سے مسلح تھی۔"

اِس لوٹ اور غارت گری کے ذریعہ کتنی دولت انگلستان کے ہاتھ آئی؟ اس کا کوئی شخص اندازہ صحیح طریقہ پر نہیں کرسکتا، مسٹر برک (Mr. Burk) نے لکھا ہے کہ :-

" یہ مالامال خزانے کروروں آدمیوں کی صدیوں کی کمائی انگریزوں نے ہتھیا کر لندن اس طرح بھیجدی جس طرح رومن نے یونان اور پونٹس کے خزانے اٹلی بھیجدیے تھے۔ ہندوستانی خزانے کتنے قیمتی تھے، کوئی انسان بھی اس کا اندازہ نہیں کرسکتا۔ لیکن وہ کروروں اشرفیاں ہونگی، اتنی دولت اس وقت کی مجموعی یورپین دولت سے بہت زیادہ تھی، بس جب ۱۸۵۰ء میں انگلستان آیا تو یہاں بڑے بڑے شہر ایسے تھے، جہاں کوئی بینک نہ تھا۔ بنگال کی چاندی نے انگلستان پہنچکر نہ صرف دولت میں بے شمار اضافہ کیا بلکہ اس کی رفتار بھی بہت تیز کردی۔"

بعض لوگوں نے اُس دولت کا جو ہندوستان سے انگلستان گئی کچھ اندازہ لگایا ہے جو ذیل میں درج کیا جاتا ہے۔

میجر ونگیٹ (Major Wingate) نے لکھا ہے کہ :-

"سرسری اندازہ کے ساتھ آسانی سے دعوے کیا جا سکتا ہے کہ جنگ پلاسی اور جنگ واٹرلو کے درمیانی زمانہ میں ہندوستان سے انگلستان کو پندرہ ارب روپیہ جا چکا ہے، اور اُنیسویں صدی میں ہندوستان انگلستان کو کم از کم ایک ارب پچاس کرور روپیہ دے چکا ہے۔"

ہندوستان سے دولت کھنچکر جانے کی مقدار کا اندازہ بعض اور لوگوں نے حسب ذیل کیا ہے :-

(۱) سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) ممبر پارلیمنٹ :- انیسویں صدی کے آخر تک (۶۰۸۰) ملین پونڈ یعنی (۹۱۲ - ارب روپیہ)

(۲) مسٹر ہنڈمن (Mr. Hindman) نے ۱۹۰۶ء میں تخمینہ کیا کہ سالانہ انگلستان کو ہندوستان سے (۴۰) ملین پونڈ یعنی (۶۰۰۰۰۰۰ کرور روپیہ) پہنچتا ہے۔

(۳) مسٹر اے جے ولسن (Mr A. J. Wilson)

نے (۳۵) ملین پونڈ یعنی (۵۲۵۰۰۰۰۰۰) کرور روپیہ سالانہ کا تخمینہ کیا۔

(۴) مسٹر تھیوڈر ماریسن (Mr Thudore Morrison) نے (۲۱) ملین پونڈ یعنی (۳۱۵۰۰۰۰۰۰) کرور روپیہ سالانہ کا اندازہ لگایا ہے۔

اگر انیسویں صدی کے بعد والے تین تخمینوں میں سے متوسط درجہ کے تخمینہ کو مان لیں، جو مسٹر اے، جے، ولسن نے کیا ہے، تو معلوم ہوتا ہے کہ اس اڑتیس ۳۸ برس میں یعنی ۱۹۰۱ء سے لیکر ۱۹۳۸ء تک ہندوستان سے انگلستان (۱۳۳۰) ملین پونڈ یعنی (۱۹۹۵۰۰۰۰۰۰۰) ارب روپیہ جا چکا ہے۔

اور اگر سر ولیم ڈگبی کے اس تخمینہ کو بھی اس میں جوڑ دیا جائے، جو انیسویں صدی کے آخر تک ہندوستان سے دولت کے کھنچکر جانے کی مقدار کو تبلاتا ہے، تو ۱۹۳۸ء تک مجموعی مقدار حسب ذیل ہو جاتی ہے:-

انیسویں صدی کے آخر تک = ۶۰۸۰ = ملین پونڈ = ۹۱۲۰۰۰۰۰۰۰۰ - ارب روپیہ

سنہ ۱۹۰۱ء سے سنہ ۱۹۳۸ء تک = ۱۳۳۰ ملین پونڈ = ۱۹۹۵۰۰۰۰۰۰۰ ارب روپیہ

میزان کل سنہ ۱۹۳۸ء تک = ۱۰،۴۱۰ ملین پونڈ = ۱۱۱۱۵۰۰۰۰۰۰ کھرب روپیہ

مگر ان اعداد و شمار کی حیثیت محض اندازہ اور تخمینہ کی ہے۔ یقین کے ساتھ یہ نہیں کہا جا سکتا کہ صرف اتنی ہی رقم انگریز ہندوستان سے لے گئے۔ سر ولیم ڈگبی نے پراسپرس برٹش انڈیا[1] میں لکھا ہے کہ:۔

"مگر شرقی ہند سے جو دولت حاصل کی گئی، اس کی مقدار کتنی تھی؟ کوئی شخص اس کا صحیح اندازہ نہیں لگا سکا، اور نہ صحیح طور سے لکھ سکا ہے، کہ کتنی دولت ہندوستان سے برآمد کی گئی۔ بعض تخمینے مختلف طور پر کیے گئے ہیں، جو پچاس کرور پونڈ سے ایک ارب پونڈ تک پہنچتے ہیں، غالباً پلاسی سے لیکر واٹرلو تک آخر الذکر رقم ہندوستان سے نکلکر انگریزی بینکوں میں چلی گئی، ہر ایک انگریز نے ہندوستان سے دولت اکٹھی کی۔ موجودہ انگلینڈ ہندوستان کی دولت سے بڑا بن گیا۔ جو دولت خود ہندوستانیوں نے نہیں دی، بلکہ زور آور کے ہنر اور طاقت سے کی گئی، اٹھارہویں صدی اور بیسویں صدی میں صرف اتنا ہی سا فرق ہے کہ اب بہت زیادہ مقدار میں دولت لی جاتی ہے۔ مگر قانون کے مطابق

---

[1] تحریش حال ہندوستان صہ ۴۹

انگریزی راس المال منافع پر لگا ہوا دکھائی دیتا ہے، انگریزی اشیاء خرید کیجاتی ہیں، اور اس لئے جو شخص خرید تا ہے، اس کو قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔"

وہ انگریز جو نادر شاہ کو ڈاکو اور ہندوستان کا سب سے بڑا دشمن کہا کرتے ہیں، ذرا نادر شاہ کا انگلستان کے ان سفید فام لٹیروں سے مقابلہ کریں، اور بتلائیں کہ سب سے بڑا ڈاکو اور سب سے بڑا دشمن کون تھا؟

انگلستان نے ہندوستان کی بدولت صنعتی ترقی کی

جیسا کہ اس سے پہلے باب میں بتلایا گیا کہ انگریزوں نے ہر جائز اور ناجائز طریقہ سے خوب دل کھول کر ہندوستان کو لوٹا اور اس طرح بے شمار دولت جس کا کوئی صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔ ہندوستان سے انگلستان پہنچ گئی۔ در اصل یہی ہندوستانی سرمایہ اور دولت انگلستان میں صنعتی انقلاب کا باعث بنی، اور اسی کے ذریعہ انگلستان میں صنعتی عروج ہوا، ورنہ اس سے پہلے انگلستان کی صنعت ترقی یافتہ نہ تھی، اور نہ کاروبار اور تجارت کا یہ عالم تھا۔ بلکہ انگلستان کی تمام صنعتیں بہت ہی خستہ حالت میں تھیں۔ لنکا شائر میں کپڑا بننے کا

کا کام بھی بہت ہی گری ہوئی حالت میں تھا، اور رُوئی دھننے، سُوت کاتنے، اور لوہے کے کارخانے سب ہی کا حال بُرا تھا، اور انگلستان کی معدنی، اور حرفی صنعتیں کمزور حالت میں تھیں، لیکن ہندوستان کی دولت کے بے اندازہ بہاؤ نے انگلستان کی ہر ایک صنعت میں جان ڈال دی اور رُوح پھونک دی۔

ظاہر ہے کہ ہر ملک کی صنعت و تجارت سرمایہ اور اصل کی محتاج ہوتی ہے، جس وقت تک انگلستان کے پاس اتنا سرمایہ نہ تھا، صنعتیں بُری حالت میں تھیں، جس وقت یہ اصل اُن کے ہاتھ لگ گئی، تمام مُردہ صنعتیں جاگ اُٹھیں، جو ایجادیں دولت نہ ہونے کی وجہ سے بیکار پڑی تھیں، ہندوستانی دولت کے ذریعہ ان کا مصرف پیدا ہو گیا، جب ایجادات پر روپیہ خرچ کیا گیا، تو وہ اپنا پھل لائیں جس سے انگلستان مالامال ہو گیا۔ اور نئی نئی ایجادوں کا بھی سلسلہ شروع ہو گیا۔

سر ولیم ڈگبی (Sir William Digby) نے لکھا ہے کہ :-

"انگلینڈ کو حرفی اقتدار صرف اس لئے حاصل ہوا کہ بنگال اور کرناٹک کے

خزانے اُسے استعمال کرنے کا موقع ملا۔ ورنہ اس سے پہلے ہمارے ملک کی صنعت بہت ہی زوال پذیر تھی۔ لنکا شائر میں کاتنے اور بُننے کا کام نہیں کے برابر تھا۔ بلکہ وہ ہنر جس سے ہندوستان نے رُوئی کاتنے میں حیرت انگیز ترقی کی تھی، وہ تمام مغربی اقوام میں بالکل نہ پایا جاتا تھا، جیسا کہ روئی کا حال تھا۔ ویسا ہی "لوہے" کا تھا، اور کیا معدنی، اور کیا حرفی صنعت بالکل کمزور حالت میں تھی۔ ہندوستان کی دولت کا انگلینڈ میں آنا، اور اس وقت سے برٹش حرفت کا جلد اٹھنا، ان دونوں کا باہمی تعلق محض اتفاقی امر نہ تھا، بلکہ اس میں سبب اور مسبب کا تعلق تھا۔"

ہندوستان کے مشہور ماہر اقتصادیات مسٹر جے۔ سی۔ کماّرپا نے اپنی کتاب "مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب"[1] میں لکھا ہے کہ:-

"ہندوستان میں برطانوی حکومت کے قیام سے پہلے "قرضہ عامہ" کا کہیں وجود نہ تھا۔ کوئی والی ملک اگر کبھی قرض لیتا بھی تو وہ اس کا ذاتی فعل متصور ہوتا اور رعایا کو اس سے کوئی سروکار نہ ہوتا تھا۔ لارڈ کلائو کے زمانہ میں جب ہندوستان کا ایک خطہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے زیر حکومت آگیا

[1] مالیات عامہ اور ہمارے افلاس کے اسباب صفحہ ۱۰۰

تو اُس وقت بھی سوائے چند انتظامی اختیارات کے کمپنی محض ایک تجارتی حیثیت رکھتی تھی، اور اس کا سارا کام حصول منافع کے نقطۂ نگاہ پر چل رہا تھا۔ پس یہی وہ زمانہ تھا جب ہندوستان کی دولت یعنی اس کے زر اصل کا سیلاب رواں ہندوستان سے انگلستان کی طرف بہنا شروع ہو گیا، ملک کو قرضے کی ضرورت اس وقت اس لیے نہ ہوئی کہ اُس دَور جاگیرداری میں کمپنی کو لوٹ اور غارتگری سے اس قدر روپیہ وصول ہو جاتا تھا۔ جو اس وقت کے ملکی انتظامات کے لیے کافی ہو جائے، تاریخ کا یہ دور انگلستان کی مالی ابتری کی شہادت دیتا ہے۔ بقول بروک اڈم ۱۷۵۰ء کے زمانہ میں انگلستان کی آہنی صنعت روبہ انحطاط تھی۔ جنگل کٹ چکے تھے، لوہا سویڈن سے لایا جاتا تھا۔ سنہ ۱۷۶۰ء سے پہلے سوت کاتنے کی مشین جو لنکا شائر میں استعمال کی جاتی تھی۔ وہ اپنی سادگی میں ہندوستانی چرخہ کی مشابہ تھی۔ غرض اس وقت موجد بہت تھے، مگر وہ سرمایہ جو ہر ایجاد کو رائج اور جاری کر دیا کرتا ہے۔ ملک میں موجود نہ تھا۔ یہ سچ ہے کہ انسان کا دل سوچ سکتا ہے، اور دماغ ایجاد بھی کر سکتا ہے، مگر جب تک خیالات کو عملی صورت میں لانے کے لیے ہاتھ سے مدد نہ

لی جائے۔ ساری کاوشیں بیکار و عبث ہونگی۔ اسی طرح وہ سرمایہ جس نے
انگلستان کی ایجادات کو فروغ دیا۔ جنگ پلاسی کے بعد ہی سے وہاں
پہنچنا شروع ہو گیا، جنگ پلاسی کے بعد کی حالت لارڈ میکالے اس طرح
لکھتا ہے کہ "دولت کی وہ موسلا دھار بارش جو کمپنی اور اُس کے ملازمین
پر برسی، اس کا کچھ حد وحساب نہ تھا۔ جنگ کے بعد آٹھ لاکھ پونڈ زرنقد
مرشد آباد سے کلکتہ روانہ کیا گیا اور وہ کلکتہ جس پر کبھی فلاکت و ویرانگی
برستی تھی، اب اپنی آبادی اور چہل پہل میں حیرت انگیز ترقی کر رہا تھا۔
ملازمین کمپنی کے گھروں پر فراوانی دولت کے آثار ہویدا تھے۔ رہا خود
لارڈ کلایو تو حقیقت یہ ہے کہ اس کی طبع معتدل کے سوا اس کی فراوانی
دولت کا اندازہ ممکن نہیں، اس بانی سلطنت کلایو نے ہندوستان
کو لوٹنے اور انگلستان کو سرمایہ فراہم کرنے کا خوب ہی استحقاق حاصل
کر لیا تھا۔ اب انگلستان کو کسی چیز کی کمی نہ تھی، صنعت و ایجادات
میں حیرت انگیز ترقی شروع ہو گئی۔ جنگ پلاسی کے صرف تین سال
بعد کپڑہ بننے میں کبٹ کل (Flying Shutte) کا استعمال
شروع ہو گیا۔ چوتھے ہی سال پھر ہرگریو کا (Hargreaves)

جدید کرگھ جاری ہوگیا۔ ۱۷۶۸ء میں مسٹر واٹس (Watts) نے
انجن ایجاد کیا۔ ۱۷۷۹ء میں کرومٹن (Cromton) نے سوت کاتنے
کی ایک نئی مشین ایجاد کی، اور آخرکار ۱۷۸۵ء میں کپڑا بُننے کی مشین
بھی مکمل اور پیٹینٹ ہوگئی۔ یہ ہے انگلستان کے تجارتی انقلاب کی سرگذشت
جس سے ساتھ ہی ساتھ ہندوستان کا اقتصادی دور انحطاط بھی شروع
ہوجاتا ہے۔ ہندوستان کے براہ راست اور بالواسطہ لوٹ اور غارتگری
سے جو سرمایہ فراہم ہوتا رہا۔ وہی انگلستان کے ایجادات ومخترعات کی ترقی
اور توسیع کا موجب ہوا۔ اس رہتی دنیا کے قیام سے اس وقت تک
شاید ہی کسی سرمایہ نے اس قدر منافع دیا ہو۔ جس قدر کہ ہندوستان
کی لوٹ اور غارت گری سے انگلستان کو حاصل ہوا، کیونکہ اس کے بعد
کامل پچاس سال تک کوئی بھی اس کا مقابلہ نہ کرسکا۔ برک کا بیان
ہے کہ "۱۷۵۰ء میں سارے انگلستان میں بارہ عدد مہاجنوں کی کوٹھیاں
بھی نہ تھیں۔ مگر حالات اس قدر متغیر ہوئے کہ ۱۷۹۰ء میں وہاں کے
ہر بڑے کوچہ و بازار میں بینک قائم ہوگئے تھے اور لین دین کا بازار
گرم تھا۔" گویا بنگال کی چاندی نے نہ صرف زر کی مقدار کو بڑھایا۔

بلکہ رفتار تجارت میں بھی غیر معمولی سرعت پیدا کردی"۔

مسٹر بروکس ایڈمس (Mr. Brox Adams) نے

اپنی کتاب "تہذیب اور زوال کا قانون" میں لکھا ہے کہ :-

" اس اعلیٰ اور مرکزی سوسائٹی کے ظہور پر بحث کرتے ہوئے جسمیں

وہ رہنا تھا "بل" نے سرمایہ کی تعریف یہ کی ہے کہ " وہ انسانی محنت کا

مجموعی ذخیرہ ہے"۔ یا دوسرے لفظوں میں سرمایہ جمع شدہ محنت ہے۔

مگر اس محنت کا بہت سا حصہ مقررہ ندیوں میں بہتا ہے' صرف روپیہ

ہی ہے جو فی الفور کسی صورت میں تبدیل ہونے کے قابل ہے' اسلئے

ہندوستانی روپیہ کا بہاؤ قومی نقد سرمایہ کے ساتھ زیادہ ترملکر نہ صرف محنت

کا ذخیرہ بڑھانے کا موجب ہوا' بلکہ اس سے اس کی تحریک کی تیز رفتاری

اور پائداری بھی بہت بڑھ گئی۔

جنگ پلاسی کے بعد ہی بہت جلد بنگال کی لوٹ لندن میں آنی شروع

ہوئی اور اُس کی تاثیر فوری ہوئی' کیونکہ سب اہل الرائے اس بات پر

متفق ہیں کہ انگلستان میں حرفی انقلاب جس نے اُنیسویں صدی کو

اُس سے پہلے سارے زمانہ سے الگ اور ممتاز کردیا ہے۔ ۱۷۶۰ء سے

سے شروع ہوا۔ ۱۷۶۰ء سے پہلے بقول بینیز جو کلیں لنکاشائر میں
روئی کاتنے کیلئے استعمال کیجاتی تھیں وہ ایسی ہی سادہ تھیں جیسے کہ
ہندوستان میں ..... ۱۷۶۴ء میں ہارگریوز نے کاتنے کی کل
ایجاد کی۔ ۱۷۷۹ء میں کرومٹن (cramton) نے ایک نئی سوت
کاتنے کی مشین ایجاد کی۔ ۱۷۸۵ء میں کارٹ رائٹ نے کل سے
چلنے والا رچھ پیٹنٹ کرایا۔ اور ویٹ نے سب سے اعلیٰ دخانی انجن وضع کیا
جو ایک ہاتھی محنت کا سب سے کامل راستہ تھا۔ لیکن گو یہ کلیں اس وقت
کی تحریک کو جلدی چلانیکے کام آئیں مگر دراصل اس جلدی بازی کا موجب
نہیں تھیں ایجادیں، خود ساکت اور ساکن ہوتی ہیں ان میں سے بہت ضروری ایجادیں
سالہا سال یونہی پڑی رہیں اور انتظار کرتی رہیں کہ کب کافی ذخیرہ
طاقت کا انہیں چلانیکے لئے جمع ہوتا ہے وہ ذخیرہ ہمیشہ روپیہ کی شکل
اختیار کرتا رہا۔ مگر روپیہ دفن کیا ہوا نہیں بلکہ چلتا پھرتا۔ چنانچہ چھاپے
کا علم مدتوں سے چینیوں کو معلوم تھا، پیشتر اس کے کہ یورپ میں آیا۔
رومیوں کو غالباً بندوق کی گولیوں کا علم تھا پستول اور برچ لوڈنگ
توپیں پندرہویں اور سولہویں صدی میں پائی جاتی تھیں اور اسٹیم

(بھاپ) کا تجربہ دیبٹ کی پیدائش سے بہت پہلے ہو چکا تھا۔ ویبٹ کو
اس کا خیال باندھنے میں بہت کم محنت اُٹھانی پڑی اور اُس نے اسکو
دنیا کے رُوبرو لانے میں زندگی صرف کی لیکن ہندوستانی خزانے کی
ندی بہنے اور اس کے بعد داد وستد کی وسعت سے پہلے کوئی طاقت
موجود نہ تھی جو اس مطلب کے لئے کافی ہو سکے، اگر ویبٹ پچاس برس
پہلے پیدا ہوا ہوتا تو اپنی ایجاد کو اپنے ساتھ ہی قبر میں لیجاتا ان مشکلات کا
لحاظ کر کے جن کے ماتحت اپنے زمانہ کا نہایت قابل اور محنتی کاریگر مبتلا
گیا کسی کو اس میں کلام نہیں ہو سکتا کہ اگر بولٹنگ کا کارخانہ برمنگھم
میں نہ ہوتا تو انجن پیدا نہ ہوتا اور ۱۷۶۰ء (جب ہندوستان کی
دولت انگلستان گئی) سے پہلے اس قسم کے کارخانے قائم نہیں کئے
جاسکتے تھے۔ ۱۷۶۱ء میں "ڈیوک آف برج واٹر" نے پہلی نہر جو بعد
ازاں "لنڈ. واٹر ڈے" بن گئی ختم کی۔ اور اس پر پانچ کروڑ
پونڈ صرف ہوئے جو ہفت سالہ جنگ کے آغاز میں تمام قومی قرضے کا
دو تہائی تھا۔ اسی عرصے میں اسٹیم بھی جاری کی گئی، فیکٹریاں بنائی
گئیں محصول لینے کے لئے پھاٹک تعمیر کئے گئے اور یہ سب کچھ قرض کر

طریقے سے کیا گیا۔ جو طریقہ تمام ملک میں رائج ہو گیا تھا یعنی سوسائٹیوں میں اعتبار پر قرضہ محنت کی پسندیدہ گاڑی ہے اور جونہی لندن میں اسکی بنا رکھنے کے لیے کافی خزانہ ہندوستان سے آگیا وہیں وہ حیرت انگیز تیزی کے ساتھ آگے بڑھا۔

سنہ ۱۶۹۴ء سے جنگ پلاسی تک اس طریقہ کی رفتار نسبتاً بڑی دھیمی رہی کیونکہ بینک آف انگلینڈ کی بنا رکھے جانیکے بعد ساٹھ سال سے زیادہ عرصہ تک بینک کا چھوٹے سے چھوٹا نوٹ بیس پونڈ کا ہوتا تھا جو زیادہ رائج نہیں ہو سکتا تھا۔ لیکن سنہ ۱۷۹۰ء میں "برک" نے بیان کیا ہے کہ جب وہ سنہ ۱۷۵۰ء میں انگلینڈ میں آیا۔ اُس وقت ساہوکاروں کی بارہ دوکانیں بھی مفصلات میں موجود نہ تھیں۔ لیکن سنہ ۱۷۹۰ء میں اس کے قول کے بموجب تقریباً ہر ایک تجارتی قصبہ میں ساہوکاروں کی دوکانیں پائی جاتی ہیں بنگال کی چاندی کی آمد سے نہ صرف اس طریقہ کی رفتار میں تیزی ہوئی بلکہ صنعت وحرفت کے ہر ایک شعبے میں استحکام پیدا ہو گیا۔ پس انگلینڈ کی بے پناہ صنعتی ترقی کی اصلیت کا ہندوستان کی دولت کے ساتھ گہرا تعلق

ہے اور یہ دولت اٹھارہویں صدی کے وسط سے آجتک اُسی چشمہ سے

سے دربردہ زیادہ تر نکالی جارہی ہے، بلاشبہ جب سے دنیا شروع

ہوئی ہے کسی راس المال سے اتنا منافع حاصل نہیں ہوا جتنا کہ

ہندوستانی لوٹ سے"۔

حاصل یہ کہ انگلستان جو آج ایک بہت بڑا تجارتی ملک ہے اور

جس نے دنیا کی تجارتی منڈیوں پر قبضہ کر رکھا ہے جسکی مصنوعات

سے ہندوستان کا ہر بازار بھرا پڑا ہے۔ اور آج جس کی مصنوعات

تمام مقبول ہیں، اور پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں۔ اسکی

ساری صنعتی ترقی اور اس کا تمام تجارتی عروج، اسی برباد

شدہ ہندوستان کی بدولت ہے۔ اگر ہندوستان نہ ہوتا، یا ہوتا

لیکن انگریزوں کو اس سے ناجائز نفع اٹھانے کا موقع نہ ملتا۔

تو یقیناً انگلستان صنعت و تجارت میں اتنی ترقی نہیں کرسکتا تھا، اور

نہ وہ تجارتی ملک بن سکتا تھا، بلکہ شاید وہاں کے لوگ آلو کی کاشت

ہی کو سب سے زیادہ منفعت بخش پیشہ سمجھتے رہتے۔ لیکن یہ بھی قدرت کا

ایک کرشمہ ہے کہ ہندوستان خود تو برباد ہوگیا اور انگلستان کو مالامال

کر دیا۔

ہندوستان میں بیرونی مال پر محصول درآمد

پچھلے بابوں میں تفصیل سے بتایا جا چکا ہے کہ ہندوستانی مال کی برآمد کو روکنے کے لئے بھاری محصول لگائے گئے۔ یہانتک کہ بعض دفعہ ہندوستانی مال پر انگلستان میں ایک ہزار فی صدی محصول لیا گیا۔ یعنی ایک سو روپیہ کے مال سے ایک ہزار روپیہ ٹیکس وصول کیا گیا۔ اس طرح ہندوستان کی تجارت تو ختم ہو گئی۔ لیکن ولایتی مال پر جو ہندوستان آیا کرتا تھا۔ کبھی محصول بالکل معاف کر دیا گیا اور ایک پیسہ بھی وصول نہیں کیا گیا، اور اگر لیا بھی گیا، تو محض برائے نام، جس سے صنعت کو کوئی نقصان نہیں پہنچ سکتا۔ جس وقت انگلستان کی صنعت خطرہ میں تھی۔ اس وقت تو ہندوستان کی مصنوعات پر تامینی محصول لگا کر ان کو ختم کر دیا گیا اور جب ہندوستان کی صنعت پر مصیبت آئی، تو اس وقت ولایتی مال پر تامینی محصول عائد نہیں کیا گیا۔ بلکہ اُس وقت "آزاد تجارت" کے حامیوں نے اتنا ہنگامہ کیا کہ ۱۸۸۲ء میں تمام

ولایتی مال محصول سے بَری کر دیئے گئے، صرف نمک اور شراب پہ برائے نام محصول باقی رہا۔

ہندوستان میں ولایتی مال کے فروغ کی بڑی وجہ یہ بھی ہے، کہ ایک طرف ہندوستان پر تامیتی محصول لگائے جارہے تھے، اور دوسری طرف ولایتی مال کو بلاکسی محصول کے ہندوستان بھیجا رہا تھا۔ یا تھوڑا بہت جو محصول لگایا گیا۔ اس کی تفصیل حسب ذیل ہے:-

۱۸۵۸ء جبکہ ہندوستان پر براہ راست تاج برطانیہ نے حکومت شروع کی اُس وقت سے ہندوستان کی درآمد پر جو محصول مختلف وقتوں میں لگائے گئے، اُن کی یادداشتیں باقاعدہ موجود ہیں۔ اُن سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۵۸ء میں ولایتی مصنوعات پر محصول درآمد (۵) فی صدی اور دوسرے ملکوں کی مصنوعات پر (۱۰) فی صدی تھا۔

۱۸۵۹ء میں انگلستان اور دوسرے ممالک کی تفریق اُٹھا دی گئی، اور یہ صرف اس لئے ۱۸۵۷ء کے انقلاب سے حکومت پہ

جو بوجھ پڑ گیا تھا۔ وہ دُور ہو جائے۔ عیش و تفریح کے سامان پر بلا کسی فرق کے محصول درآمد (٢٠) فی صدی اور بقیہ چیزوں پر (١٠) فی صدی کر دیا گیا۔

مسٹر جیمس ولسن (Mr. James Wilson) وزیر مالیات نے ١٨٦٠ء میں عیش و تفریح کے سامان وغیرہ کی تفریق بھی اٹھا دی اور بلا امتیاز تمام سامان پر محصول درآمد (١٠) فی صدی کر دیا۔

١٨٦٥ء میں عام محصول درآمد گھٹا کر (٥) فی صدی کر دیا گیا۔
١٨٦٧ء میں بہت سی چیزیں محصول درآمد سے مستثنیٰ کر دی گئیں
١٨٨٢ء میں تمام ولایتی مال سے محصول درآمد معاف کر دیا گیا۔
صرف نمک اور شراب پر برائے نام باقی رہا۔

١٨٩٤ء میں حکومت کے فوجی اخراجات بڑھ گئے۔ جس کی وجہ سے میزانیہ میں چار کروڑ کا خسارہ ہوا۔ اس وقت زیادہ تر چیزوں پر (٥) فی صدی محصول (١) فی صدی رہا۔ ریل کا سامان، صنعتی اور زراعتی مشین اور کلیں، سونا اور کوئلہ اور کتابیں محصول

۴ لگا دیا گیا۔ لوہا اور فولاد کی مصنوعات پر محصول

سے بری رہیں۔

ذیل میں ایک نقشہ دیا جاتا ہے۔ جس سے بیرونی مال پر محصول درآمد یکجا ہو کر سامنے آجائیگا:

بیرونی خصوصاً ولایت کی عام اشیا پر محصول درآمد

سال	نام اشیا	ولایتی مصنوعات پر محصول درآمد	دیگر ملکوں کی مصنوعات پر محصول درآمد	کیفیت
سنہ ۱۸۵۸ء	تمام مصنوعات	۵ فیصدی	۱۰ فی صدی	
سنہ ۱۸۵۹ء	عیش و تفریح کا سامان	۲۰ فی صدی	۲۰ فی صدی	تاکہ انقلاب سنہ ۵۷ء کی تحریک کو دبانے کے سلسلہ میں اخراجات کا جو بار حکومت ہند پر پڑ گیا تھا اسکو پورا کیا جائے۔
″	بقیہ تمام مصنوعات	۱۰ فی صدی	۱۰ فی صدی	
سنہ ۱۸۶۰ء	تمام مصنوعات	۱۰ ″	۱۰ ″	
سنہ ۱۸۶۵ء	″	۵ ″	۵ ″	
سنہ ۱۸۶۷ء	میں بہت سی چیزیں محصول درآمد سے مستثنیٰ کردی گئیں۔			
سنہ ۱۸۸۲ء	تمام مصنوعات	معاف	۵ فی صدی	صرف ولایتی شراب اور نمک پر برائے نام
سنہ ۱۸۹۴ء	بیشتر مصنوعات	۵ فی صدی	۵ فی صدی	چونکہ حکومت کے میزانیہ میں خسارہ
″	لوہے اور فولاد کی مصنوعات	۱ ″	x	
″	ریل کا سامان	معاف	x	
″	صنعتی اور زراعتی مشینیں	معاف	x	
″	سونا اور کوئلہ	معاف	x	
″	کتابیں	معاف	x	

[illegible]

سُوتی کپڑے اور سُوت پر محصول درآمد

سوتی کپڑے پر محصول کا قصہ سب سے زیادہ دلچسپ ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اٹھارہویں صدی سے ہندوستان کے سُوتی کپڑے کی درآمد انگلستان میں قانوناً روک دی گئی۔ اور اُسی زمانہ سے انگلستان کے سوتی کپڑے کی درآمد ہندوستان میں بڑھانے کی کوشش شروع ہوئی۔ چنانچہ پہلے پہلے انگلستان کا سوتی کپڑا بلا کسی محصول کے ہندوستان آنا شروع ہوا اور ایک عرصہ تک یہی سلسلہ رہا۔ اور پھر جب ولایتی کپڑا ہندوستان میں کچھ مقبول ہو گیا۔ تو اُس وقت ولایتی کپڑے پر صرف برائے نام (۲ ½) فی صدی محصول درآمد مقرر کیا گیا۔ اُنیسویں صدی کی ابتدا تک یہی حال رہا۔ اُنیسویں صدی کے وسط کے قریب اس میں صرف اتنا اضافہ ہوا کہ سُوت پر محصول درآمد (۳ ½) فی صدی ہوا اور سُوتی کپڑے پر (۵) فی صدی۔

۱۸۵۷ء کی انقلابی تحریک کو کچلنے میں چونکہ کمپنی کے اخراجات

زیادہ ہوگئے۔ اس لئے ۱۸۵۹ء میں ولایتی سوت پر محصول درآمد (۵) فی صدی اور سوتی کپڑے پر (۱۰) فی صدی مقرر ہوگیا۔ اور ۱۸۶۱ء میں سوت پر بھی محصول درآمد (۱۰) فی صدی ہوگیا۔ لیکن دوسرے ہی سال وہ گھٹ کر (۵) فی صدی رہ گیا۔ ۱۸۶۲ء میں اور کمی ہوئی۔ سوت پر محصول درآمد (۳ ½) فی صدی اور سوتی کپڑے پر (۵) فی صدی مقرر ہوا۔

اِس درمیان میں ایک نیا واقعہ یہ ہوا کہ ۱۸۵۶ء میں سوتی کپڑے کا سب سے پہلا کارخانہ کھلا اور دس پندرہ سال کے اندر چار پانچ کارخانے جاری ہوگئے۔ بس کیا تھا لنکا شائر اور منچسٹر میں کھلبلی مچ گئی۔ اور انگریزوں کو خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں پھر ہندوستان کی صنعت میں جان نہ پڑ جائے۔ انگلینڈ والے فوراً ہندوستان کے کارخانوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور ۱۸۷۴ء میں باقاعدہ مطالبہ پیش کر دیا کہ ولایتی سوت پر ۳ ½ اور کپڑے پر (۵) فی صدی جو محصول درآمد ہے وہ مطلقاً معاف کر دیا جائے۔ کیونکہ اس محصول سے ہندوستان کے

کارخانوں کو بطور تامین امداد ملتی ہے، اور اس طرح ہندوستانی
کارخانوں میں ولایتی کارخانوں کے مقابلہ کی قوت پیدا ہوتی
ہے۔ ابتداءً تو ولایتی سوت اور کپڑے کا محصول درآمد معاف تھا
ہاں مصر اور امریکہ کی لانبے ریشے والی روئی کی درآمد پر بھی
ہندوستان میں (۵) فی صدی محصول عائد کر دیا گیا۔ تاکہ
باریک کپڑے میں ہندوستانی کارخانے ولایتی کارخانوں پر
سبقت نہ لیجا سکیں۔ لیکن کپتک انگلینڈ کے صناع اور تاجروں
کا مطالبہ منظور نہ کیا جاتا۔ آخر ۱۸۷۷ء میں پارلیمنٹ نے یہ
تجویز منظور کی کہ ولایت کے سوتی کپڑے پر ہندوستان
میں جو محصول درآمد لیا جاتا ہے، یہ ہندوستانی کپڑے کے لیے
تامین کا کام کرتا ہے، اور تجارتی نقطۂ نگاہ سے یہ کوئی اچھا طریقہ
نہیں، لہذا جہاں تک جلد ممکن ہو اس کو معاف کر دیا جائے۔
چنانچہ ۱۸۷۸ء میں ایسے ولایتی کپڑے محصول درآمد سے مستثنیٰ
کر دیئے گئے۔ جن کے متعلق خیال تھا کہ شائد ہندوستانی کارخانے
ان کی تیاری میں کچھ مقابلہ کر سکیں۔ لیکن ولایتی کارخانوں

کی اس سے تشفی نہ ہوئی اور وہ اپنے اصلی مطالبہ پر اڑے رہے۔
نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۷۹ء میں ہر قسم کے ولایتی کپڑے پر سے محصول
درآمد معاف ہو گیا۔ اور معافی کی ایسی ہوا چلی کہ ۱۸۸۲ء میں
اکثر ولایتی چیزیں محصول سے مستثنیٰ ہو گئیں۔ صرف دو چار چیزوں
پر محصول باقی رہا۔

بارہ سال تک یہ معافی برقرار رہی۔ لیکن ۱۸۹۴ء میں حکومت
ہند کے مالیہ میں پھر کمی پڑی تو کپڑے کے سوا بہت سی ولایتی
چیزوں پر (۵) فی صدی کے حساب سے محصول درآمد لگا دیا گیا۔
لیکن پھر اسی سال کے آخر میں ولایتی کپڑے اور سوت پر بھی
(۵) فیصدی کی شرح سے محصول عائد کیا گیا۔

انگلستان کے تاجروں اور صناعوں نے پھر ہنگامہ کیا کہ کپڑے
پر محصول درآمد نہ لیا جائے۔ بالآخر ۱۸۹۶ء میں حکومت ہند
نے سوت اور سوتی کپڑے کے متعلق ایک نیا قانون پاس کیا۔
جسکی رو سے ہر قسم کا سوت دیسی ہو یا ولایتی محصول سے مستثنیٰ
کردیا گیا۔ جس سے ولایتی کارخانے والوں کو فائدہ ہوا۔ اور دیسی

کارخانوں کو سخت نقصان ہوا۔ اور یہ قانون دیسی صنعت
کی ترقی میں حائل ہوگیا، کیونکہ ولایتی کارخانوں میں بالعموم
باریک کپڑا تیار ہوتا تھا۔ اور دیسی کارخانوں میں موٹا۔ اسلئے
دونوں میں کوئی مقابلہ ہی نہ تھا۔ پھر دونوں محصول کی شرح
میں ایک حیثیت پر لانا ظلم تھا۔ انگلستان کے باریک سُوتی
کپڑے پر (۵) فی صدی کے بجائے (۳ ½) فی صدی محصول
درآمد مقرر ہونے سے ہندوستان میں ولایتی کپڑا اسستا
ہوگیا جس سے اس کی کھپت بڑھ گئی، اور ولایت کے کارخانوں
کو زیادہ نفع ہوا۔ اور ہندوستانی موٹے کپڑے پر پہلے کوئی
محصول نہ تھا، اب (۳ ½) فی صدی محصول لگ جانے
سے ہندوستانی کپڑا اگراں ہوگیا۔ اس طرح ہندوستانی کارخانوں
کو نقصان پہنچا۔

بیس سال تک کپڑے کا محصول یہی رہا۔ جنگ عظیم کی بدولت
اس میں تغیر ہوا اور حکومت ہند نے اپنے مالی حالات سے مجبور ہوکر
سنہ ۱۹۱۷ء میں ولایتی کپڑے پر (۳ ½) فیصدی کے بجائے (۷ ½)

فی صدی محصول درآمد لگایا۔ اور سنہ ۲۳-۱۹۲۲ء میں محصول بڑھکر (۱۱) فی صدی ہو گیا۔

ذیل میں ایک نقشہ دیا جاتا ہے جس سے اٹھارہویں صدی سے لیکر سنہ ۱۹۲۳ء تک کا محصول درآمد یکجا ہو کر سامنے آجائیگا۔ جو ولایتی سوت اور سوتی کپڑے پر لگایا گیا۔

ولایتی سوت اور سوتی کپڑے پر محصول درآمد

سال	ولایتی سوتی کپڑے پر محصول درآمد	ولایتی سوت پر محصول درآمد	کیفیت
اٹھارہویں صدی	معاف	معاف	اس زمانہ میں ہندوستان کے سوتی کپڑے کی درآمد انگلستان میں قانوناً ممنوع کی گئی تھی۔
انیسویں صدی کے شروع میں	۲½ فیصدی	۲½ فیصدی	اس زمانہ میں ہندوستانی مال پر بالعموم (۶۷) فیصدی اور بعض وقت اکثر [illegible] فیصدی محصول درآمد انگلستان میں لگایا گیا۔
” وسط میں	۵ ”	۳½ ”	
سنہ ۱۸۵۹ء	۱۰ ”	۵ ”	چونکہ سنہ ۱۸۵۷ء کے انقلاب کی وجہ سے کمپنی کے مصارف زیادہ ہو گئے تھے
سنہ ۱۸۶۰ء	۱۰ ”	۱۰ ”	
سنہ ۱۸۶۱ء	۱۰ ”	۵ ”	
سنہ ۱۸۶۲ء	۵ ”	۳½ ”	
سنہ ۱۸۷۸ء	بہت قسم کے کپڑے محصول سے بری ہو گئے	×	چونکہ ہندوستان میں کپڑے کے کارخانے کھل گئے تھے اسلئے ان تمام ولایتی کپڑوں
سنہ ۱۸۸۹ء	بالکل معاف	×	تاکہ ہندوستانی کارخانے ختم ہو جائیں اور ولایتی مال کا مقابلہ کر سکیں۔
سنہ ۱۸۹۴ء	۵ فیصدی	۵ فیصدی	چونکہ حکومت ہند کے مالیہ میں کمی پڑی۔
سنہ ۱۸۹۶ء	۳½ ”	معاف	چونکہ ولایتی کارخانے والوں نے مطالبہ کیا۔
سنہ ۱۷-۱۹۱۶ء	۷½ ”	معاف	تاکہ اس نذرانہ کے سود کو ادا کیا جائے جو حکومت ہند نے قرض لیکر
سنہ ۲۳-۱۹۲۲ء	۱۱ ”	معاف	چونکہ جنگ یورپ (جس کو ہندوستان کو کوئی تعلق نہیں) کی وجہ سے حکومت کے اخراجات بڑھ گئے تھے۔

ہندوستان میں بیرونی مال کی درآمد

یہی آزاد تجارت کا اُصول جو انگریزوں نے اپنے لئے برتا۔ اگر ہندوستانی مال کے ساتھ بھی برتا جاتا، تو نہ ہندوستان کی صنعت تباہ ہوتی، نہ یہاں کی تجارت کو نقصان پہنچیا، اور نہ ہندوستان کے بازاروں پر بیرونی مال چھایا ہوا نظر آتا۔ لیکن جیسا کہ پچھلے ابواب سے معلوم ہو چکا ہے، کہ ایک طرف تو ہندوستان کے اندر کاریگروں اور صناعوں پر مختلف قسم کے مظالم ڈھا کر اُن کو اس پیشہ سے الگ کیا گیا۔ دوسری طرف ہندوستانی مال کی درآمد انگلستان میں قانوناً روک دی گئی، یا ایک ہزار فی صدی تک محصول لگا کر بند کر دی گئی، اور دوسری طرف ولایتی مال کو ہندوستان میں بغیر کسی محصول کے بھیجا گیا۔ اور اگر لگایا بھی گیا تو اس کی مقدار بہت کم رہی، جس سے ہندوستانی صنعت کو کوئی تائید نہیں مل سکتی تھی۔ اس طریقۂ کار کا نتیجہ ظاہر ہے کہ بیرونی مال سے ہندوستان بھر گیا۔ اور جس چیز کو اُٹھا کر دیکھئے بیرونی ہی نظر آنے لگی۔

بیرونی مصنوعات کب اور کتنی مقدار میں ہندوستان آئیں اس کی تفصیلات کا لکھنا مشکل ہے لیکن جہانتک بھی تفصیلات مل سکی ہیں حسب ذیل ہیں۔

ہندوستان میں بہت سے بیرونی ملکوں سے مال درآمد ہوتا ہے۔ مثلاً یورپ، امریکہ، اسٹریلیا، جرمن، چین اور جاپان وغیرہ اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض ممالک سے درآمد بہت زیادہ ہوتی ہے اور بعض سے بہت کم۔

ذیل کے نقشہ سے صرف ولایتی کپڑے کی ہندوستان میں درآمد کا حال معلوم ہوگا۔ جو ۱۷۹۳ء سے ۱۸۱۰ء تک مختلف سالوں میں ہوئی۔ یہ نقشہ اس طرح مرتب کیا گیا ہے جس سے ہندوستانی کپڑے کی انگلستان میں درآمد بھی معلوم ہوجائے، تاکہ ہندوستانی اور ولایتی کپڑے کی درآمد کا مقابلہ کیا جاسکے، اور یہ بھی معلوم ہوجائے کہ ہندوستان میں ولایتی کپڑے کی درآمد بڑھتی گئی، اور ہندوستانی کپڑے کی انگلینڈ میں درآمد گھٹتی گئی۔ یہ نقشہ تجارتی بورڈ کی ڈائری سے مرتب کیا گیا ہے:۔

سال	ولایتی کپڑا ہندوستان میں: قیمت پونڈ میں	ولایتی کپڑا ہندوستان میں: قیمت روپیہ میں	ہندوستانی کپڑا انگلستان میں: قیمت پونڈ میں	ہندوستانی کپڑا انگلستان میں: قیمت روپیہ میں
سنہ ۱۷۹۳ء	۲۷۶- پونڈ	۴۱۴۰ ہزار روپیہ	۱۶۹۷۳۴۵ پونڈ	۲۶۹۶۰۱۷۵ کرور روپیہ
سنہ ۱۷۹۸ء	۷۳۱۷- "	۱۰۹۷۵۵ لاکھ "	۳۲۴۵۷۲۵- "	۴۸۰۶۸۶۱۷۵ "
سنہ ۱۸۰۵ء	۴۸۵۲۵- "	۷۲۷۸۷۵ "	۱۰۸۳۱۷- "	۱۴۶۷۴۷۵۵ "
سنہ ۱۸۱۰ء	۱۱۸۴۰۸- "	۱۶۷۷۶۱۲۰ کرور روپیہ	۱۸۱۲۷۳- "	۲۷۱۹۰۹۵ لاکھ روپیہ

اس نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزی کپڑا سنہ ۱۷۹۳ء میں صرف (۱۵۶) پونڈ کی مالیت کا ہندوستان میں درآمد ہوا، اور سنہ ۱۸۱۰ء میں (۱۱۸۴۰۸) پونڈ کا درآمد ہوا۔ یعنی صرف ستّر برس کے عرصہ میں ولایتی کپڑے کی قیمت درآمد میں (۱۱۸۱۳۴۳) لاکھ پونڈ کا اضافہ ہوا اور اسی ستر برس کے عرصہ میں ہندوستانی کپڑے کی قیمت برآمد میں (۱۶۱۶۰۷۲) لاکھ کی کمی ہوگئی۔

ذیل میں ایک دوسرا نقشہ دیا جارہا ہے۔ جس سے ولایتی کپڑے کی درآمد ہندوستان میں سنہ ۱۸۱۸ء سے سنہ ۱۹۲۹ء تک، اور ہندوستانی کپڑے کی برآمد سنہ ۱۸۱۴ء سے سنہ ۱۸۳۹ء تک معلوم ہوگی۔

اس نقشہ میں ہندوستانی کپڑے کی برآمد کا جہاں ذکر ہے، وہاں ایک تھان کو ۱۰ گز قرار دیکر، گزوں میں منتقل کردیا ہے۔ صحیح طریقہ پر نہیں کہا جاسکتا کہ اس وقت جو تھان برآمد ہوئے، وہ کئے گز کے تھے۔

(نقشہ پشت پر ملاحظہ ہو)

سال	ولایتی کپڑا ہندوستان میں بحساب لاکھ گز	سال	ہندوستانی کپڑا کی برآمد بحساب لاکھ تھان	بحساب لاکھ گز
سنہ ۱۸۱۸ء	۸۱۸۲۰۴ = لاکھ گز	سنہ ۱۸۱۴ء	۱۲۶۶۶۰۸ لاکھ تھان	۱۱۶۶۶۰۸۰ کرور گز
سنہ ۱۸۲۱ء	۱۹۱۳۸۷۲۶ = کرور گز	سنہ ۱۸۲۱ء	۵۳۴۲۵۹۰ - ,,	۵۳۴۲۵۹۰۰ ,,
سنہ ۱۸۲۸ء	۲۴۸۳۰۷۷ = لاکھ گز	سنہ ۱۸۲۸ء	۴۲۲۵۰۴ - ,,	۴۲۲۵۰۴۰ لاکھ گز
سنہ ۱۸۳۵ء	۵۱۷۷۷۲۷۷ = کرور گز	سنہ ۱۸۳۵ء	۳۶۶۰۸۶ - ,,	۳۶۶۰۸۶۰ ,,
سنہ ۱۸۷۵ء	۶۱۹۴۳۶۷۵۲ = ,,	سنہ ۱۸۴۳ء	۱۸۱۲۲۴ - ,,	۱۸۱۲۲۴۰ ,,
سنہ ۱۹۰۵ء	۱۳۷۸۳۰۰۲۳۴ = ارب گز	سنہ ۱۸۳۹ء	۳۶۱۵۱ - ہزار گز	۳۶۱۵۱۰ ,,
سنہ ۱۹۲۵ء	۴۸۳۷۰۱۳۴۴۶ = ارب گز			

اِس نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۸۱۸ء سے ۱۹۲۵ء تک یعنی ایک سو سات سال کے عرصہ میں ولایتی کپڑا کی درآمد میں (۱۴۲۴۱۹۵۲۶۳۸۳۴) ارب گز کا اضافہ ہوا۔ اور ۱۸۱۴ء سے ۱۸۳۹ء تک یعنی ۲۵ برس کے عرصہ میں (۱۲۳۰۴۵۷۰) کرور گز ہندوستانی کپڑے کی برآمد میں کمی ہوئی۔

جاپان نے تھوڑے عرصہ میں صنعت و تجارت میں جس قدر ترقی کی اس سے دُنیا واقف ہے، جاپانی مال کی کھپت خصوصًا ہندوستان میں بہت زیادہ بڑھ گئی، کیونکہ جاپان نے ہندوستان کی ضرورت، ذوق اور مجبوریوں کو صحیح طریقہ پر معلوم کیا۔ اُس نے محسوس کیا کہ ہندوستان ایک غریب ملک ہے، اس کی ساری دولت لُٹ چکی ہے، لیکن چونکہ کسی زمانہ میں بہت ہی دولتمند اور امیر ملک تھا اس لئے ہنوز اچھے کپڑے پہننے کا شوق باقی ہے، اس لئے جاپان نے ہندوستانیوں کی غربت کے لحاظ سے سستے اور ذوق کے لحاظ سے خوش وضع اور خوش رنگ کپڑے تیار کر کے ہندوستان بھیجنا شروع کئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ جاپانی کپڑے ہندوستان میں بہت

زیادہ مقبول ہوئے۔

ذیل میں چند سالوں کے اعداد وشمار دئیے جاتے ہیں۔ جن سے ہندوستان میں جاپانی کپڑے کی درآمد کا حال معلوم ہوگا:۔

سنہ ۲۷، ۱۹۲۶ء ۲۴ کروڑ ۴۰ لاکھ گز۔ سنہ ۲۸، ۱۹۲۷ء ۳۳ کروڑ ۳۰ لاکھ گز۔
سنہ ۲۹، ۱۹۲۸ء ۴۱ کروڑ ۷۰ لاکھ گز۔ سنہ ۳۰، ۱۹۲۹ء ۲۵ کروڑ ۱۰ لاکھ گز۔
سنہ ۳۱، ۱۹۳۰ء ۲۳ کروڑ ۱۰ لاکھ گز۔ سنہ ۳۲، ۱۹۳۱ء ۳۳ کروڑ ۹۰ لاکھ گز۔

سنہ ۱۹۳۳ء میں حکومت ہند نے غیر برطانوی سوتی پارچہ پر (۷۵) فیصدی محصول لگا دیا۔ حکومت ہند کے اس فیصلہ پر جاپانی قونصل نے ۸ رجون سنہ ۳۳ء کو تبصرہ کیا۔ جس کا اس موقع پر تذکرہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ وہ تبصرہ یہ ہے کہ:

"حکومت ہند کی یہ کاروائی محض مانچسٹر کی صنعت پارچہ بافی کی حفاظت کے لئے ہے، دراصل برطانیہ کا مدعا یہ ہے کہ برطانوی مال کے بائیکاٹ سے جو اس کو نقصان پہنچا ہے، اُسے اس طریقہ پر پُورا کیا جائے۔ میں نے جو کچھ کہا ہے، اس کا ثبوت مندرجہ ذیل اعداد

وشمار مل جائیگا۔

برطانیہ سنہ ۱۹ء سے کثیر مقدار میں سوتی مال ہندوستان بھیج رہا ہے۔ سنہ ۱۳-۱۹۱۲ء میں برطانیہ نے ہندوستان میں تین ارب دس کروڑ، چالیس لاکھ گز سوتی کپڑا بھیجا۔ اس سے پہلے برطانیہ سے ہندوستان میں اتنا کپڑا کبھی نہیں آیا۔ لیکن اسی (سنہ ۱۳-۱۹۱۲ء) میں، جاپان سے صرف نوے لاکھ گز کپڑا ہندوستان آیا۔

سنہ ۱۳-۱۹۱۲ء کے بعد برطانیہ نے ہندوستان میں جتنا کپڑا بھیجا اس کے اعداد وشمار حسب ذیل ہیں:۔

مقاطعہ سے پہلے

سنہ ۲۷-۱۹۲۶ء	ایک ارب	۴۶ کروڑ	۷۰ لاکھ گز
سنہ ۲۸-۱۹۲۷ء	"	۵۴ "	۳۰ "
سنہ ۲۹-۱۹۲۸ء	"	۴۵ "	" "
سنہ ۳۰-۱۹۲۹ء	"	۲۴ "	۸۰ "

مقاطعہ کے دوران میں

سنہ ۳۰و۱۹۳۱ء ۵۲ کروڑ ، ۳۰ لاکھ گز

سنہ ۳۱و۱۹۳۲ء ۳۸ " ۳۰ " "

بہرحال اب تک تو ہندوستان میں صرف کپڑے کی درآمد کے اعداد وشمار پیش کیے گئے تھے، اب ذیل میں کچھ اعداد وشمار ایسے پیش کیے جاتے ہیں. جس سے معلوم ہو سکے کہ ہندوستان میں عمومیت کے ساتھ ہندوستانیوں کی پوشاک اور سامان لباس سے متعلق کون کون سی چیزیں کس قدر درآمد ہوئیں.

سال	نام سامان لباس جو درآمد ہوا	قیمت کروڑ روپیہ میں
سنہ ۱۳و۱۹۱۴ء	سوتی کپڑا اور سوت وغیرہ	۶۶٫۳۰
"	اونی کپڑا اور اون	۳٫۸۵
"	ریشمی کپڑا	۳٫۰۰

سال	نام سامان لباس جو درآمد ہوا	قیمت کروڑ روپیہ میں
سنہ ۱۹۱۲ و ۱۳ء	ریشم خام	۱٫۳۷
"	ملبوسات	۱۰٫۷۱
"	جوتے	۰٫۷۹
	میزان	۷۷٫۰۲ کروڑ روپیہ

سال	نام سامان لباس جو درآمد ہوا	قیمت کروڑ روپیہ میں
سنہ ۱۹۲۴ و ۲۵ء	سوتی کپڑا	۶۹٫۴۲
	سوت	۹٫۶۶
	اونی کپڑا	۲٫۶۳
	ریشمی کپڑا اور سوت	۲٫۱۸
	روئی	۴٫۲۵
	ریشم خام	۱٫۱۹
	اُون	۰٫۷۹
	متفرق اشیاء لباس	۹٫۷۰
	میزان	۹۹٫۷۳ کروڑ روپیہ

اٹنک تو کپڑا اور سامان لباس سے متعلق چیزوں کی درآمد کے اعداد وشمار پیش کئے گئے، چونکہ لباس انسانی زندگی کے لئے بہت ضروری چیز ہے، اور غذا کے بعد انسان کی ضروریات میں اسی کا نمبر آتا ہے، اس لئے اس کی تجارت بھی بہت اہمیت رکھتی ہے. اسی لئے اس کو علحدہ اور مستقل طریقہ پر بیان کیا گیا.

اب ہندوستان کی مجموعی درآمد سے بحث کیجائیگی جس میں وہ تمام چیزیں داخل ہیں جو باہر سے ہندوستان آئیں.

ذیل کے نقشہ میں سنہ ۱۸۳۴ء سے لیکر سنہ ۱۹۱۴ء تک کی مجموعی درآمد کے اعداد وشمار ملاحظہ ہوں :-

سال	اوسط سالانہ	قیمت درآمد کرور روپیہ میں	
سنہ ۱۸۳۴-۳۹ء	"	۷ء۳۲	
سنہ ۱۸۴۰-۴۴ء	"	۱۰ء۴۵	
سنہ ۱۸۴۵-۴۹ء	"	۱۲ء۲۱	
سنہ ۱۸۵۰-۵۴ء	"	۱۵ء۸۵	

سال	اوسط سالانہ	قیمت در آمد کرور روپیہ میں
سنہ ۱۸۵۵-۵۹ء	”	۶۲٫۸۵
سنہ ۱۸۶۰-۶۴ء	”	۴۱٫۰۶
سنہ ۱۸۶۵-۶۹ء	”	۴۹٫۳۱
سنہ ۱۸۷۰-۷۴ء	”	۴۱٫۳۰
سنہ ۱۸۷۵-۷۹ء	”	۴۸٫۲۲
سنہ ۱۸۸۰-۸۴ء	”	۶۱٫۸۱
سنہ ۱۸۸۵-۸۹ء	”	۷۵٫۱۳
سنہ ۱۸۹۰-۹۴ء	”	۸۸٫۷۰
سنہ ۱۸۹۵-۹۹ء	”	۸۸٫۵۶
سنہ ۱۹۰۰-۱۹۰۴ء	”	۱۱۰٫۶۹
سنہ ۱۹۰۴-۵ء	”	۱۴۳٫۹۲
سنہ ۱۹۰۵-۶ء	”	۱۴۳٫۷۶
سنہ ۱۹۰۶-۷ء	”	۱۶۱٫۸۷
سنہ ۱۹۰۷-۸ء	”	۱۷۸٫۹۳

سال	اوسط سالانہ	قیمت درآمد کرور روپیہ میں	
سنہ ۰۹-۱۹۰۸ء	〃	۱۵۱٫۵۳	
سنہ ۱۰-۱۹۰۹ء	〃	۱۶۰٫۱۷	
سنہ ۱۱-۱۹۱۰ء	〃	۱۷۳٫۴۷	
سنہ ۱۲-۱۹۱۱ء	〃	۱۹۷٫۵۲	
سنہ ۱۳-۱۹۱۲ء	〃	۲۲۸٫۴۶	
سنہ ۱۴-۱۹۱۳ء	〃	۲۳۴٫۷۵	۱٫۸۳۰۰۰۰۰۰ ارب روپیہ
سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء	〃	×	۱۳۷۰۰۰۰۰۰۰-ارب روپیہ

اس نقشہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ بیرونی مال کی درآمد نے کس قدر ترقی کی اور سالانہ کتنی بڑی رقم دوسرے ملک والے اس غریب ہندوستان سے اپنے مصنوعات کو بیچ کر اپنے ملک لیجاتے ہیں۔

مذکورۂ بالا نقشہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سنہ ۱۸۳۴ء میں کل بیرونی مال کی قیمت درآمد (۷۳۲۰۰۰۰) کرور روپیہ تھی۔ اور سنہ ۱۹۲۵ء

میں قیمت درآمد (۱۳۷،۰۰۰۰۰۰۰) ارب روپیہ ہو گئی۔
یعنی (۹۱) برس کے عرصہ میں بیرونی مال کی قیمت درآمد میں
(۱۳۶۲۶۸۰۰۰۰۰) ارب روپیہ کا اضافہ ہوا۔
ہر ہندوستانی کو سوچنا چاہیے کہ جو ملک ہر سال تقریباً تیرہ ارب
روپیہ محض مصنوعات کی قیمت میں دوسرے ملکوں کو دیتا ہو۔
وہ ملک کس طرح خوش حال ہو سکتا ہے اور کیونکر وہاں کے
لوگ سکون اور چین کی زندگی گذار سکتے ہیں؟
مذکورۂ بالا اعداد و شمار مجموعی درآمد کے ہیں۔ جس کی تفصیل ذیل
کے نقشہ سے معلوم ہوگی:۔

نام اشیاء درآمد شدہ	قیمت درآمد کروڑ روپیہ میں
سامان لباس (جسکی تفصیل پہلے گذر چکی ہے)	۹۹،۷۳
شکر	۲۱،۰۰
اشیاء خوردنی	۱۲،۳
ادویات اور کیمیاوی اشیاء	۳،۹۰

نام اشیاء درآمد شدہ	قیمت درآمد کروڑ روپیہ میں
شراب	۳،۲۸
نمک	۱،۴۳
مصالحے	۲،۶۶
تمباکو	۱،۹۸
میزان سامان خوراک	۳۸،۱۷ کروڑ روپیہ
آہنی اور فولادی سامان	۱۹،۰۰
دیگر فلزات اور فلزی سامان	۷،۳۷
مشینیں اور کلیں	۱۶،۰۰
ریل کا سامان	۷،۳۷
موٹر کار	۲،۲۰
آلات واوزار	۳،۰۲
متفرق فلزی مصنوعات	۴،۹۹
میزان فلزی سامان	۵۹،۹۵

نام اشیاء درآمد شدہ	قیمت درآمد کروڑ روپیہ میں
شیشہ کے آلات	۲٫۶۰
کاغذ	۳٫۰۳
رنگ	۲٫۹۱
تیل	۹٫۱۷
موتی جواہر	۱٫۲۰
کوئلہ	۱٫۳۲
دیاسلائی	۰٫۸۹
سیمنٹ	۰٫۶۹
میزان متفرق مصنوعات	۲۱٫۸۱
متفرقات	۲۶٫۵۹

ان مجموعی درآمد کے اعداد وشمار سے اس کا اندازہ نہیں ہو سکا کہ ہندوستان میں کس ملک سے کتنا مال برآمد ہوا۔
ذیل کے نقشہ سے ہندوستان کی درآمد میں مختلف ممالک

کا حصہ معلوم ہوجائیگا :-

نام ملک	کل درآمد میں ہر ملک کا فیصدی حصہ		
	سنہ ۱۴-۱۹۱۳ء	سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء	سنہ ۳۴-۱۹۳۳ء
	فیصدی	فیصدی	
برطانیہ	۶۴٫۱	۵۴٫۱	۴۱٫۳
جرمنی	۶٫۹	۶٫۳	۷٫۷
جاوا	۵٫۸	۶٫۳	۲٫۱
جاپان	۲٫۶	۶٫۹	۱۴٫۲
امریکہ	۲٫۱۶	۵٫۷	۶٫۲
بلجیم	۲٫۳	۲٫۷	۲٫۳
آسٹریا ہنگری	۲٫۳	۰٫۳	۰٫۴
اسٹریٹ سٹلمنٹ	۱٫۸	۲٫۰	۲٫۳
فارس، عرب، ترکی	۱٫۵	۱٫۱	۱٫۲
فرانس	۱٫۵	۱٫۰	۱٫۳
ماریشس	۱٫۳	۱٫۵	۰
اٹلی	۱٫۲	۱٫۶	۲٫۵

نام ملک	کل درآمد میں ہر ملک کا فیصدی حصہ		
	سنہ ۱۴-۱۹۱۳ء	سنہ ۲۵-۱۹۲۴ء	سنہ ۳۴-۱۹۳۳ء
چین	۰٫۹	۱٫۱	۱٫۹
نیوزی لینڈ	۰٫۰	۰٫۲	۱٫۶
آسٹریلیا	۰٫۵	۰٫۳	۰٫۹
ہانگکانگ	۰٫۵	۰٫۵	۰٫۷
ڈچ بورنیو	۰٫۴	۰٫۳	۰
سیلون	۰٫۴	۰٫۶	۱٫۱
سوئٹزرلینڈ	۰٫۳	۰٫۷	۰
مشرقی آفریقہ اور زنجبار	۰٫۳	۲٫۰	۰
روس	۰٫۱	۰٫۵	۱٫۴
دیگر	۳٫۹	۳٫۰۵	۱۱٫۲

ان اعداد وشمار سے تو ہندوستان کی درآمد میں مختلف ممالک کا

مجموعی اوسط فیصدی ظاہر ہوتا ہے۔ ذیل میں ایسے اعداد و شمار پیش کئے جاتے ہیں۔ جس سے بعض ممالک کی تفصیلی درآمد مصنوعات کے نام اور قیمت درآمد معلوم ہو سکے، اور اندازہ ہو سکے کہ ہم اپنی ضروریات میں دوسرے ملکوں کے کس قدر محتاج ہیں۔ سنہ ۳۱-۱۹۳۰ء میں ہندوستان نے ۱۲ کرور کا مال جرمنی سے خریدا۔ بڑی بڑی اشیا مفصلہ ذیل ملاحظہ ہوں :۔

اودویات تیزاب کیمیکل وغیرہ :۔ = ۹۶ لاکھ روپیہ

سائیکلیں :۔
= ۱۱ " "

رنگ :۔
= ۶۱ " "

آلات شیشہ :۔
= ۲۴ " "

چھری چاقو کیلیں وغیرہ :۔
= ۱۲۴ " "

اوزار :۔
= ۷۵ " "

شراب :۔
= ۳۱ " "

کلیں :۔
= ۱۱۸ " "

دھاتیں :۔
= ۲۰۹ " "

موٹر کاریں :۔	=	۱۲	لاکھ	روپیہ
کاغذ اور کتبے :۔	=	۲۸	〃	〃
ربڑ کی اشیاء :۔	=	۲۹	〃	〃
اونی کپڑا :۔	=	۳۲	〃	〃
چھتریاں	=	۱۴	〃	〃

سنہ ۳۱-۱۹۳۰ء میں امریکہ سے سولہہ کرور روپیہ کا مال ہندوستان میں خریدا گیا۔ بڑی بڑی اشیاء مفصلہ ذیل ہیں :۔

ادویات تیزاب کیمیکل وغیرہ :۔	=	۲۷	لاکھ	روپیہ
چھری چاقو کیلیں وغیرہ :۔	=	۴۵	〃	〃
اوزار :۔	=	۷۹	〃	〃
لوہے اور فولاد کی اشیاء :۔	=	۵۰	〃	〃
کلیں :۔	=	۱۶۴	〃	〃
موٹر کاریں :۔	=	۲۴۱	〃	〃
مٹی کا تیل :۔	=	۳۶۸	〃	〃
ربر کی اشیاء :۔	=	۸۶	〃	〃

تمباکو :- = ۱۴ لاکھ روپیہ

خوشبودار تیل، صابون وغیرہ :- = ۱۰ ؍؍

امریکہ سے کپاس بھی آتی ہے۔ ۳۱-۱۹۳۰ء میں ۸۳ لاکھ روپیہ کی کپاس ہم نے امریکہ سے خریدی۔ برطانیہ اور امریکہ کا مقابلہ، بجلی کا سامان، موٹرکاریں، کلیں، لوہے اور فولاد کی اشیاء کے بیچنے میں ہے۔ خاص کر نئی چیزیں بنانے میں امریکہ نے کمال پیدا کر لیا ہے۔ زراعتی کلیں بھی امریکہ ہی سے آتی ہیں۔

جاپان کی تجارتی کامیابی کا اندازہ اس سے کیجئے۔ کہ ۳۱-۳۰ء میں ہندوستان نے ۱۴½ کرور روپے کا جاپانی مال خریدا۔ خاص خاص چیزیں جو زیادہ مقدار میں خریدی گئیں۔ اس کے اعداد حسب ذیل ہیں :-

اشیاء پوشش :- = ۱۹ لاکھ روپیہ

نقلی ریشم کے کپڑے :- = ۵۴ ؍؍ ؍؍

جوتے :- = ۶۷ ؍؍ ؍؍

تانبے اور کانسے کی اشیاء:-	=	۲۵	لاکھ روپے	
سیمنٹ:-	=	۱۳	〃	〃
موٹے بنیاین وغیرہ:-	=	۶۶	〃	〃
سوتی کپڑا:-	=	۹۳	〃	〃
مٹی اور چلینی کے برتن:-	=	۲۱	〃	〃
آلات شیشہ:-	=	۵۴	〃	〃
چھری چاقو کیلیں وغیرہ:-	=	۲۱	〃	〃
کاغذ اور کتبے:-	=	۱۱	〃	〃
کھلونے:-	=	۱۳	〃	〃
چھتریاں:-	=	۹	〃	〃

بڑی بڑی اشیاء، جو جاپان سے جنگ عظیم سے پہلے بہت کم آتی تھیں، یا نہیں آتی تھیں اور اب آتی ہیں، یہ ہیں:-

ٹین، برش، جھاڑو، گاڑیاں، ادویات، اوزار، کلیں اور ریلوں کا سامان، ربڑ کی صنعتی اشیاء۔

جاپان اور ہندوستان کے درمیان تجارت میں بہت اضافہ

ہو رہا ہے، جاپان کی طرف سے ہندوستان میں جو مال بھیجا
جا رہا ہے، اس میں باوجود پابندیوں کے کسی قِسم کی کمی واقع
نہیں ہوئی۔ مندرجہ ذیل اعداد و شمار سے معلوم ہوجائیگا کہ
ہندوستان میں جاپانی مال کس مقدار سے آرہا ہے:-

ستمبر سنہ ۱۹۳۱ء	۱۰۷۰۰۰۰۰ روپے
اکتوبر "	۱۳۱۰۰۰۰۰ "
نومبر "	۸۸۰۰۰۰۰ "
دسمبر "	۸۳۰۰۰۰۰ "
اپریل سنہ ۳۲ء	۱۵۵۰۰۰۰۰ "
جون سنہ ۳۲ء	۱۹۳۰۰۰۰۰ "
جولائی "	۱۶۸۰۰۰۰۰ "

ذیل میں ایک نقشہ دیا جاتا ہے۔ جس سے علٰحدہ علٰحدہ
مصنوعات کی درآمد میں برطانیہ کا فی صدی حصّہ معلوم ہوگا۔

سوتی تار اور کپڑا:-	=	۵۸ فی صدی سنہ ۳۱-۱۹۳۰ء
اشیاء پوشش:-	=	۲۰ " "

شراب :- = ٥٨ فیصدی سنہ ٣٠-١٩٣١ء

کلیں اور ملوں کا سامان :- = ٧٥ " "

دھاتیں :- = ٤٣ " "

چھری چاقو کیلیں وغیرہ :- = ٣٧ " "

تیزاب کیمیکل وغیرہ :- = ٥٤ " "

رنگ :- = ٥٤ " "

مٹی اور چینی کے برتن :- = ٣٧ " "

آلات شیشہ :- = ١٠ " "

روغن :- = ٦٧ " "

چھڑیاں :- = ١٩ "

ادویات :- = ٢٣ " "

مندرجۂ بالا اعداد پر اس لحاظ سے بھی غور کیجئے کہ کس قدر روپیہ ہم نے ایسی چیزوں پر صرف کیا، جو اگرچہ ضروریات زندگی میں داخل ہیں، لیکن خود ہمارے ملک میں بھی مل سکتی ہیں۔

ہندوستان کے تجارتی و صنعتی انقلاب کا خلاصہ

پچھلے ابواب میں تفصیل کے ساتھ بتلایا جاچکا ہے کہ ہندوستان کی اعلیٰ ترین صنعت و تجارت کو انگریزوں نے کس طرح تباہ و برباد کیا۔ اور کیونکر ایک تجارتی ملک، زراعتی بن گیا۔ جس کا کام انگلینڈ کے صناعوں اور صنعت گاہوں کے لئے خام اجناس بھیجنے کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ جب ہندوستان کی صنعت و تجارت ختم ہوگئی، تو ظاہر ہے کہ دوسرے ملک خصوصًا انگلستان سے مختلف ضروریات کی چیزیں بن بن کر ہندوستان آنے لگیں، اور ان کی کھپت بھی ہونے لگی اور مانگ بھی بڑھنے لگی۔ کیونکہ گرچہ اب ہندوستانی مصنوعات بازاروں میں موجود نہ تھیں۔ لیکن ہندوستانیوں کی ضرورتیں تو ویسی ہی باقی تھیں، اور اُن کا پورا کرنا بھی ضروری تھا۔ فرق صرف اتنا ہوا کہ پہلے وہ سب ہندوستانی مال سے پوری ہوا کرتی تھیں، اور اب ولایتی مال سے پوری ہونے لگیں۔ جس کی تفصیل بھی پچھلے باب میں گذر چکی ہے۔

حاصل یہ کہ ان حالات میں ہندوستان دوسرے ملکوں اور خصوصاً انگلینڈ کی صنعت و تجارت کے لیے منڈی بن گیا اور گویا اس نے ولایتی مال کے خریدنے کا ٹھیکہ لے لیا۔ یورپ والوں نے مختلف ضروریات کے علاوہ بہت سی بے ضرورت اور مہمل چیزیں بنا بنا کر ہندوستان بھیجنی شروع کیں۔ سیکڑوں قسم کے کھیل کھلونے، بیسیوں طرح کی فیشن اور نمایش، بناؤ سنگار کی چیزیں ہندوستان آکر اچھے داموں بکنے لگیں۔

غرض تاریخ نے پلٹا کھایا۔ تجارت و صنعت نے ہندوستان کو چھوڑ، یورپ میں جا کر ڈیرا دیا۔ اور وہ ہندوستان جو کچھ دنوں پہلے دنیا کا اقتصادی اور تجارتی مرکز تھا۔ چھوٹی سے چھوٹی چیزوں میں دوسروں کا محتاج بن بیٹھا۔ اور ایسا معلوم ہونے لگا کہ یہاں کبھی تجارت تھی ہی نہیں، اور نہ ہندوستان کو کبھی صنعت و حرفت سے تعلق رہا، اور نہ تجارتی کاروبار ان کا شغل تھا۔ اگر حال سے ماضی کا کچھ اندازہ کیا جا سکتا ہے، تو ایک شخص یہ کہنے میں حق بجانب ہو گا کہ صنعت و حرفت اور

تجارت ہندوستانیوں کا قومی پیشہ کبھی نہیں تھی، بلکہ یہاں کے
رہنے والوں کی زندگی اور گذر اوقات کا ذریعہ عام طریقہ پر کوئی اور
پیشہ تھا۔ ورنہ جس ملک میں کچھ دنوں پہلے صنعت وحرفت کا چرچا
رہا ہو۔ جہاں کے رہنے والوں کو کاروبار سے دلچسپی رہی ہو، ایسے
ملک کا صنعت وحرفت سے خالی ہو جانا۔ اور اس طرح خالی
ہونا کہ نام تک باقی نہ رہے، جادو نہیں تو اور کیا ہے۔ جس بازار
میں جاکر آپ دیکھیں ہندوستانیوں کی ضروریات کی تمام چیزیں
موٹر سے لیکر سوئی تک باہر کی بنی ہوئی آپ کو ملیں گی۔ اور
بظاہر اتنی کم قیمت اور صاف ستھری، کہ ہم اور آپ فوراً یہ فیصلہ
کر بیٹھیں گے کہ ایسی عمدہ چیز اور اتنی کم قیمت، کم از کم ہندوستان
میں تو تیار ہو نہیں سکتی۔ یہ دوسرے ہی ملک کے لوگوں کا حصہ ہے،
بھلا ہم ہندوستانیوں میں اتنا علم اور اتنی عقل کہاں کہ انسانی
ضروریات کو ملحوظ رکھتے ہوئے، چیزیں ایجاد کریں۔ اور اتنی نفاست
اور صفائی سے بنائیں کہ دیکھکر حیرت ہو۔ اور پھر ہزارہا میل کا
محصول ادا کر نیکے بعد اتنی سستی بیچیں کہ کسی کو اپنے گھر میں

بنانے پر بھی اتنی ارزاں نہ پڑے۔

کتنے صدمہ کی بات ہے کہ ہندوستان جہاں قدرت نے صنعت و حرفت اور تجارت کے تمام سامان اور سارے اسباب مہیا کر دئے ہوں۔ جس کو کچھ دنوں پہلے تجارتی ملک ہونے کا فخر رہ چکا ہو۔ جسکی آبادی دنیا کی ایک تہائی آبادی کے برابر ہو، جس کا رقبہ دنیا کے تمام بڑے ممالک کے مساوی ہو، جہاں وسیع جنگل، سرسبز پہاڑ اور بڑی بڑی نہریں ہوں، جہاں خدا نے زمین کے نیچے وہ تمام معدنیات پیدا کر دئیے ہوں، جو دنیا میں اب تک معلوم کئے جا سکے ہیں۔ جس ملک میں مزدور تمام دنیا سے سستے ملتے ہوں۔ ایسے ملک کے رہنے والے کپڑا سینے کی سوئی اور لکھنے کی نب کے لئے دوسرے ملکوں کے محتاج ہوں، یہ خدا کا غضب نہیں تو اور کیا ہے؟

دوسرے ملک کے لوگ تو کوئلہ کی راکھ سے پچیسوں قسم کے رنگ تیار کریں اور اس سے لاکھوں لاکھ نفع حاصل کریں۔ اور ہم اپنے ملک میں نیل، ہلدی، کسم، ہارسنگھار، اور اس

قسم کی بہت سی چیزیں بافراط رہتے ہوئے، رنگ میں جرمنی
کے محتاج ہوں، کہ اگر باہر سے رنگ آنا بند ہو جائے، تو ہمارے
ملک میں غریبوں کے واسطے شادی بیاہ میں بھی کپڑا رنگ کر
پہننا دشوار ہو جائے۔ دوسرے ملک میں تو گلی کوچے کی خاک
اور گھر کی جھاڑو دی ہوئی گرد سے الومینم کے برتن تیار
کئے جائیں، اور ہمارے ہی ملک میں بیچ کر اس سے لاکھوں
روپیہ نفع پیدا کیا جائے، مگر ہم اپنے ملک کی نہروں کے کنارے
کروروں من قدرت کی دی ہوئی سفید ریت کے رہتے ہوئے،
چینی کے برتن نہ بنا سکیں، اور مجبوراً الومینم کے برتن خرید
کر اپنے مصرف میں لائیں۔

دوسرے ملک کے لوگ تو گھاس، درخت کی پتیوں اور
مختلف قسم کے معمولی غلوں سے شکر تیار کریں اور "جرمنی اور
اسٹریا" ہمارے ہی ملک میں بیچ کر دولت کمائے، اور ہم
لاکھوں من شکر قند پیدا ہوتے ہوئے، شکر نہ بنا سکیں،
اور اگر ہم شکر تیار بھی کریں، اور وہ بھی گھاس بھوسے اور

پتہ سے نہیں بلکہ او کھ سے، تو اس کے باہر بھیجنے کی ممانعت ہوجائے۔

ہندوستان میں (۷۵) فی صدی آبادی کے زراعت پیشہ ہونیکے باوجود "اسٹریلیا" کا گیہوں آکر ہمارے ملک کے بازاروں پر قبضہ کرے اور اتنی طویل مسافت کا محصول اداکرنے کے بعد اتنا سستا بکے کہ اگر ہم لوگ اپنے کھیت کے پیدا کئے ہوئے گیہوں کو اُس دام میں بیچیں تو نقصان ہو۔

یہ تو دو ایک موٹی موٹی مثالیں ہیں، ورنہ ہر شعبۂ حیات میں ایسا ہی انقلاب ہوگیا۔ اور زندگی کے ہر گوشہ میں ہندوستانیوں کی بے کسی، بے بسی اور محرومی کا یہی حال ہے۔ کہ اپنے گھر میں سب کچھ رہتے ہوئے معمولی معمولی چیزوں کے لئے دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلانا پڑتا ہے اور غیروں کے دروازے پر بھیک مانگنی پڑتی ہے۔ اور اپنی ادنیٰ سی ضرورت کو بھی ہم دوسروں کی امداد وسہارے کے بغیر پورا نہیں کرسکتے۔

یہی ہندوستان کے تجارتی انقلاب کا خلاصہ ہے اور یہی انگریزوں،

کی خواہش بھی تھی کہ ہندوستان ہر ہر چیز کے لئے یورپ کا محتاج و دستنگر ہو جائے، تاکہ ہندوستان یورپ کی تجارت کیلئے بہترین منڈی بن سکے، اور ہندوستان کے ذریعہ یورپ والے اپنا پیٹ پال سکیں، اور ہندوستان سے انگریزوں نے یہ فائدہ پوری طرح حاصل کیا۔ متعدد ذمہ دار انگریزوں نے حسب ذیل حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ :۔

"انگلینڈ والوں کا کروڑوں روپیہ ہندوستانی تجارت میں لگا ہوا ہے اس طرح ہندوستان کی تجارت ہمارے واسطے دنیا کے تمام ملکوں کی تجارت سے زیادہ اہمیت رکھتی ہے، ہندوستان میں ہمارے حوصلہ مند نوجوانوں اور انگلینڈ کے بیشمار فقیروں کو روٹی مل رہی ہے، دنیا کے ہر گوشہ میں ہمارے ملک کو ہندوستان کا قبضہ بہت زیادہ طاقتور، باعزت اور با اثر بنا رہا ہے، مسیحیت کے تمام اعلیٰ خیالات اور تہذیب کے فرائض سے قطع نظر کر کے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ ہندوستان کو ہمیشہ اپنے قبضہ میں رکھنا چاہیئے، انگریز بھاری سے بھاری قربانیاں کرنے کو تیار ہیں مگر یہ سونے کی چڑیا (ہندوستان) کسی حال میں بھی اپنے ہاتھ سے اڑنے نہیں دیں گے۔"

ملنے کا پتہ
مکتبہ سلفیہ، مونگیر،
(بہار)

مطبوعہ
برقی مشین پریس مرادپور
بانکی پور
پٹنہ